سلسلۂ الناظر نمبر (۲)

فسانۂ جوش

از

مسٹر سلطان حیدر جوش (علیگ)

(مصنف ابنِ مسلم، نواب فرید، صبرکی دیوی وغیرہ)

(حقوق محفوظ)

باہتمام

عاصی اسحاق علی علوی

(با حقوق محفوظ)

دار الناظر پریس واقع بلدۂ لکھنؤ طبع گردید

بار اول — سنہ ۱۹۲۶ء — قیمت عہ

۷۸۶

گزارش

النّاظر کے منتخب مضامین کے سلسلہ میں یہ دوسری کڑی تیار ہوئی ہے کتاب کی طباعت جیسا کہ سرورق کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا ۲۵ء میں ہو چکی تھی مگر آخری اجزا کی تکمیل اس سبب سے نہ ہو سکی کہ دفعتاً ۱۳ء کی دوسری ششماہی والی جلد دفتر سے غائب ہو گئی اور چونکہ درمیانی ایک حصہ کی صحت اسکے بغیر نہو سکتی تھی اسلئے کام رُک گیا۔ ناظرین النّاظر سے کئی بار درخواست کرنے پر بالآخر مارچ ۲۷ء میں رنگون کے ادب دوست تاجر مسٹر ابراہیم گورا باوا نے توجہ فرما کر اپنے کتب خانہ سے ۱۳ء کی مکمل جلد مستعار بھیجی تواب خدا خدا کر کے کتاب کی تکمیل کی نوبت آئی ہے۔

میں ابراہیم گورا باوا صاحب کی اس عنایت کا بدل ممنون ہوں۔

اس سلسلہ کی متعدد کتابوں کی اشاعت پیش نظر ہے اور انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ ہر سال ایک دو جلدیں شائع کر دی جائیں۔

افسوس ہے کہ بعض اتفاقات کے سبب طباعت کا انتظام خاطر خواہ نہ ہو سکا اُمید ہے کہ اب اس کا تدارک ہو جائے گا۔

ظفر الملک ایڈیٹر النّاظر

فہرست مضامین

مساوات

(مطبوعۂ الناظر ماہ مئی سنہ ۱۹۱۲ء)

(۱)

عزیز حسن قمری انبالہ پولیس کا سب انسپکٹر کوئی ایسا ویسا نہ تھا کہ کچھ
کہے اور پورا نہ کرے! انگریزی تعلیم کے لحاظ سے تو ملازمت کے وقت
وہ انسپکٹر جنرل پولیس کو انٹرنس کے سارٹیفکٹ کے سوائے اور کچھ
نہ دکھا سکا تھا، لیکن اسکی طبیعت - جدت پذیر براق طبیعت - بلا کی ترقی یافتہ
تھی! مارننگ سوٹ، ایوننگ سوٹ، فراک سوٹ، یہ سوٹ، وہ سوٹ
غرض کوئی سوٹ ایسا نہ تھا جو خدا نخواستہ اُسکے پاس نہو۔ وہ فیشن کے
معنی تہ تک سمجھتا تھا، وہ سر کی ہیٹ سے لیکر پاؤن کے بوٹ تک ترقی
یافتہ زمانے کا دلکش نونہال تھا! اور یہی نہین وہ آداب نشست و برخاست
مین، بول چال مین، اندرونی اور بیرونی زندگی مین، ایٹیکیٹ کا پورا عامل تھا
اُسکے اوقات مقررہ تھے، اُسکے گھنٹے بٹے ہوے تھے، اور یہ ناممکن تھا کہ
مسٹر اے - ایچ قمری بریکفاسٹ کے وقت سوائے چاء کی پیالی کے اور کسی چیز

کو منہ سے لگا ئیں! وہ ڈاڑھی کے نام پر مسکراتا تھا، وہ ہندوستان کی آب و ہوا سے نالاں تھا، اور وہ پرانی تہذیب پر فرمایشی قہقہے لگایا کرتا تھا! نماز پڑھنی تو الگ، وہ۔ اگر کوئی لکھواتا تو نماز کا املا ص، کے ساتھ ناص لکھتا! یہانتک کہ وہ اپنے پرانی وضع کے نام تک سے تنگ آگیا تھا! عزیز حسن کی آواز اُسکے کانون کو بری معلوم ہوتی تھی، اور وہ اپنے آپ کو اے۔ ایچ قمری لکھنے سے اور مسٹر قمری پکارنے سے خوش ہوتا تھا! قمری کا دُم چھلا غالباً اُسکا اپنا بڑھایا ہوا تھا۔ اور نہایت بے تکے پن کے ساتھ بڑہایا گیا تھا! مگر سچ یہ ہے کہ وہ بیچارا معذور تھا، تمام بامعنی الفاظ۔ بغیر کسی وجہ کے بڑہائے ہوئے دُم چھلے قریشی، صدیقی، نعمانی، قدوائی، زاہدی، عابدی، شمسی وغیرہ وغیرہ ختم ہو چکے تھے! اب اسکی نگاہ مین صرف دو الفاظ باقی تھے، قمری اور خاکی! خاکی کسیقدر بدنما معلوم ہوا۔ اور کسی وجہ سے نہین، محض اس وجہ سے کہ اس سے انسان کے خاکی ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک نہایت دقیانوسی خیال ہے۔ لہذا بہتر یہ نظر آیا کہ قمری اختیار کیا جائے اور فوراً آنکھین بند کر کے اختیار کر لیا گیا!

ہان تو مسٹر قمری جو کچھ کہتے، کرتے۔ اور جو کچھ کرتے، ڈنکے کی چوٹ کرتے! وہ پرانی رسوم کے خلاف تھے لہذا سب کو۔ بلا تفریق نیک و بد۔ یک لخت چھوڑ دیا تھا! وہ پردے کو ناقابل تلافی ظلم سمجھتے تھے۔ لہذا اسکو۔ بلا خیال انگشت نمائی و ناسوزونی جدت۔ یکقلم اٹھا دیا تھا! بیچاری مان بہن۔ پرانی لکیر

کی فقیر مان مہن تو ضرور اُنکے حکم کے موافق عامل نہ ہوسکین البتہ مسنز قمری - جو
کسی زمانے مین صغرا بیگم تھین - بالکل قمری کے کٹ کھنون پر چلتی تھین ! پردہ
ظالمانہ قید پردہ جامۂ کہنہ کا پیوند پردہ - بیباکی کے ساتھ اُٹھا دیا گیا تھا اور مسنز قمری
ترقی یافتہ زمانے کے باغ اٹیکیٹ کی قمری - دیدہ دلیری کے ساتھ زندگی کے ہر ہر
شعبہ کا لطف اُٹھاتی تھین ! جلسون مین شریک ہونا، پارک کے چکر کاٹنے ،
دوست احباب سے آزادی کے ساتھ ملنا جلنا، غرض اُنکی زندگی ایک عجیب
پُر لطف اور مسرت انگیز زندگی تھی ! مسٹر قمری بھی ایسی لائق اور طباع بیوی
پر فخر کے ساتھ مسکرایا کرتے تھے ، اور باغ وغیرہ مین ہاتھ مین ہاتھ ڈال کر ٹہلنے
مین اُنکو بہت زیادہ روح پرور مسرت حاصل ہوتی تھی !!

ترقی زمانہ کے ساتھ فیشن - اور فیشن کے ساتھ خرچ بہ نسبت پہلے کے
بہت بڑھ گیا تھا ! سب انسپکٹری کی تنخواہ ایک معمولی رقم صاحبیت کا خرچ
ضرورت سے زیادہ ، خواہ مخواہ مجبور ہونا پڑا کہ بیوی کو مان کے پاس چھوڑ دیں
اور خود ملازمت پر رہین ! تاہم دوسرے تیسرے مہینے کا چکر کہین نہ گیا تھا !
مسنز قمری بھی دو ایک مہینے کی مفارقت پر زیادہ نہین اُکتایا کرتی تھین !
گاڑی گھوڑا موجود ، نوکر چاکر مستعد ، جسوقت طبیعت گھبرائی گاڑی کھچوائی
اور نکل کھڑی ہوئین ! مہینہ دو مہینے کا انتظار ہی کیا ؟ دیکھتے ہی دیکھتے دن ہوا
ہو جاتے ، اور ہوا خوری کرتے ہی کرتے مہینہ بھر اُڑ جاتا ! بہرحال مسنز قمری خوش

سے خوش اور مسٹر قمری بیوی پر مفتون۔ ایسے آرام سے گذر رہی تھی کہ خدا
سب مسٹرزن کو نصیب کرے!!

(۲)

اتفاقات زمانہ کہیئے یا اور کچھ، غرض بہت سی باتین ہماری زندگی کی ایسی ہوتی ہین
جو قطعی ہماری مرضی کے خلاف ہوتی ہین! ہم ہرچند بچتے ہین، ہم بیحد کوشش
کرتے ہین، لیکن پھر بھی ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے! اور کوئی کوشش و
تدبیر کارگر نہین ہوتی! اسی بات کو بیچارے پرانے زمانے والے قضاے الٰہی
اور تقدیر مبرم سے نامزد کرتے ہین، مگر تعلیم یافتہ نوجوان۔ ترقی کی مشین کا چلتا
پرزا نوجوان۔ ان خطابات پر ہنستا ہے، مضحکہ اڑاتا ہے، اور محض "چانس" کہہ کر ٹال
دیتا ہے! ان دونون مین سے کوئی بھی سمجھا جائے اس مین تو کسی کو بھی حجت نہین
کہ بہت سے امور ہماری منشا اور دلی خواہش کے قطعی خلاف ظہور پذیر ہو گئے ہین
اور اٹل ہو جاتے ہین!!

ان ہی مین سے اسکو بھی سمجھ لیجئے کہ مسٹر قمری۔ بی بی کی مفارقت مین بیتاب
مسٹر قمری۔ ایکمرتبہ متواتر سال بھر تک ملازمت سے فرصت نہ پاسکے، اگرچہ ایسا کئی
دفعہ ہو چکا تھا کہ مسٹر قمری رخصت نہ ملنے کی صورت مین مسز قمری کو دو چار روز
کے واسطے بلا لیتے تھے۔ کیونکہ پردہ اٹھا دینے کے بیشمار فوائد مین سے ایک
چھوٹا سا فائدہ یہ بھی تھا۔ مگر اس مرتبہ کچھ ایسے جال مین پھنسے، اتفاقات زمانہ نے

کچھ ایسا مجبور کیا کہ پورے سال بھر تک نہ خود آ سکے نہ مسز قمری کو بلا سکے! اسکی وجہ ہم تو ہم، شاید مسٹر قمری بھی بیان نہین کر سکتے کیونکہ فیشن کی ترنگ، جوانی کا نشہ، محبت کا عالم، مفارقت کس طرح گوارا کی جاسکتی ہے! مگر پھر سب کے آخر مین یہی کہنا پڑے گا کہ ہزار جانا چاہا، لاکھ بلانے کی کوشش کی، مگر ہر دفعہ کوئی نہ کوئی بات ایسی آن آئی کہ بنائے نہ بنی! مختصر یہ کہ کسی نہ کسی طرح ایک سال گذرا - ۳۶۵ طول طویل دن، اور اسیقدر پہاڑسی راتین کاٹین! جون توں کرکے مسٹر قمری کلکتہ تشریف لائے اور کچھ نہ پوچھیے وہ ناقابل اظہار جوش محبت جبکہ وہ اپنی فیشن کی پتلی، اٹیکیٹ کی قمری، مسز قمری سے ہم آغوش ہوے!!

مسٹر قمری پورے ایک چاند ٹھہرے، دن عید اور رات شب برات مناتے رہے! تعطیل ڈیڑھ مہینے کی لے کر آئے تھے اور ابھی اُنکی تعطیل باقی تھی! یہ تو آپ خوب سمجھتے ہونگے کہ شام کا ٹینس مسٹر قمری کی عادات کا جزو لاینفک تھا، وہ یہان بھی ایک کلب مین شام کو ضرور کھیلنے جایا کرتے تھے، مگر یہ شاید آپ کے خیال مین نہ آیا ہوگا کہ وہ ٹینس کے بعد رات کے آٹھ بجے تک ایک ٹیورن مین وقت گھُلایا کرتے تھے! آج وہ اُسی ٹیورن سے واپس آرہے تھے کہ راستہ مین ایک اجنبی شخص نے - ایک مرد معقول نے نہایت دبی آواز مین کچھ سوال کیا! فقیر فقرا کو کچھ ہاتھ اُٹھا کر دینا تو نہایت لغو بات

تھی ہی، البتہ اُنھوں نے زبان ہلاکر انگریزی مین دو ایک گالیان ضرور دین! مگر واہ رے سائل، اُسنے بھی انکا پیچھا ہی نہ چھوڑا، یہ ایڈن گارڈن سے آگے نکل آئے تھے مگر وہ سایہ کی طرح انکے ساتھ تھا!

اول تو کچھ غصہ اور کچھ نفرت کے ساتھ مسٹر قمری نے اُسکو ڈانٹا مگر جسقدر زیادہ گفتگو بڑھتی گئی آواز کی درشتی اور مزاج کی برہمی دور ہوتی گئی! آپ نے غور کیا ہوگا جس طرح زور شور کی بارش کے بعد آسمان پہلے سے زیادہ صاف ستھرا اور دلکش رنگ مین رنگا ہوا نظر آنے لگتا ہے، بالکل اسی طرح جھلانے والے انسان کا غصہ دور ہوتے ہی وہ پہلے سے زیادہ حلیم اور ساکت ہوجاتا ہے! مسٹر قمری کے غصہ کا بادل گرجتا کڑکتا نکل گیا تھا اُنکے دل کا مطلع صاف ہوگیا تھا، اور اب وہ خاموشی کے ساتھ اُس سائل کی۔ اُس فتنہ انگیز ہستی کی گفتگو سن ہی نہین رہے تھے بلکہ اسکے ایک ایک لفظ مین دلچسپی۔ منہمک کردینے والی دلچسپی لے رہے تھے! بات چیت کی آواز گرتے گرتے سرگوشی کی حیثیت تک پہونچ گئی تھی، اور کانا پھوسی کے الفاظ پوری طرح سمجھ مین نہین آتے تھے! پھر بھی مسٹر قمری کی گہری دلچسپی، خوشی ملی ہوئی حیرت، اور بار بار چلتے چلتے رک جانا، یہ سب باتین برابر بتا رہی تھین کہ گفتگو دلچسپ، حیرت انگیز اور اپنے طرز مین نرالی تھی!

تھوڑی دور آگے جاکر۔ اسی گفتگو مین مشغول اور منہمک۔ مسٹر قمری تھوڑی

دیر کے لیے ٹھہرے، اور کچھ جیب سے نکال کر اُسے دیتے ہوئے کہا "بس تو کل شام کو ٹھیک سات بجے،.... ہوٹل نمبر ۱۱- دیکھو فرق نہ پڑے!"

کیا مجال!؟ برابر اسی جگہ، اُسی وقت؛ اطمینان رکھیے!" نہایت متانت کے رنگ مین اُس مجہول الاحوال شخص نے جواب دیا اور چل پڑا!!

(۳)

رات کی سیاہی - عشاق کے مقدر کی تصویر - کلکتہ کے افق پر تسلط کر چکی تھی! تارے - شب تار کی بیشمار چمکتی ہوئی آنکھین - گھٹا ٹوپ خلا مین گھی کھچڑی ہو کر جگمگا رہے تھے، سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا کسی کے خرام ناز کی طرح اٹھلاتی ہوئی آتی اور جسم کو چھونے کے ساتھ اپنا تفریح پیدا کرنے والا اثر چھوڑ جاتی! ہستی کا سیلاب - حضرت انسان کا ناقابل اندازہ جوار بھاٹا - پوری قوت کے ساتھ ہر ہر بازار مین بل مار رہا تھا! اور طرح طرح کی سواریان ترقی زمانہ اور جدت دماغ کی متحدہ کوشش کی مختلف صورتین - کسی جانور کی قوت یا الکٹریسٹی اور اسٹیم کی طاقت سے عجیب عجیب آوازین پیدا کرتی ہوئی پاس سے گزر رہی تھین! مسٹر قمری ایک ٹیورن سے نکلا تھا، اپنے دوستون سے بمشکل پیچھا چھڑا کر علحدہ ہوا تھا، اور.... ہوٹل کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہا تھا!!

بازار کی بھیڑ، تماشائیون کا ہجوم، ہوا خوری کرنے والون کے غول، ہر ہر قدم پر مسٹر قمری کی تعجیل مین کچھ نہ کچھ فرق آجاتا تھا! اُس نے ساری سڑک چھوڑ دی

تھی، وہ ایک کنارے پر چل رہا تھا! مگر پھر بھی۔ کبھی کندھا، کبھی ہاتھ، کبھی ہونڈا
کبھی پہلو، سامنے آنے والے سے لڑ ہی جاتا تھا! تاہم وہ چلا جار ہا تھا! حسرت
کے ساتھ جا رہا تھا، اور اُسکا دماغ تخیل کی امداد سے برابر کام کر رہا تھا۔
"ضرور آ گیا ہوگا! خدا کرے کہ سچا ثابت ہو! مجھے تو اُسکا بیان نفرہ معلوم
ہوتا ہے! کلکتہ میں اول تو معزز مسلمانون کی تعداد ہی کم ہے، اور جو کچھ تعلیم
یافتہ ہین وہ سب میری نگاہ مین ہین! میری سمجھ مین نہین آتا وہ کون سی تعلیم
یافتہ معزز مسلمان لڑکی ہوگی جس کی نسبت وہ اقرار کر گیا ہے! اور خدا جانے
نام و نشان اُس نے مجھ سے کیون چھپایا؛ کیا آج مین خود اُس نازنین سے
دریافت نہین کر سکتا؟ قاہ، قاہ قہ! یہ اُسکا محض حماقت آمیز احتیاط تھا! خیر۔
مجھے دیکھنے کا از حد شوق ہے! مین دیکھتا ہون کہ میرا دل ضرورت سے زیادہ
دھڑک رہا ہے، میرا سانس بہت جلد جلد آرہا ہے، اور میرے قدم اُٹھانے
مین بوجھل معلوم ہوتے ہین! غالباً اسی حالت کو شوق کہتے ہین! کچھ ہو یا نہو
مین ایسی بے باک نازنین کو ایک دفعہ دیکھنا ضرور چاہتا ہون! مین کم از کم اس
ناجائز آزادی کا سبب خود اُسی کی زبان سے دریافت کرنا ضرور چاہتا ہون!
وہ اب تو گیا ہوگا؟ اور ضرور ساتھ لایا ہوگا! افسوس مجھے آج کسی قدر دیر ہو گئی"
اُس نے اپنے اُلٹے ہاتھ کی کلائی موڑتے ہوے کوٹ کی آستین اوپر
سرکا کر گولڈن رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ واقعی وقت بہت زیادہ گذر گیا تھا!

چھوٹی بڑی سوئیان دو دلون کی طرح پر از حسرت و ارمان دلون کی طرح کم و بیش
۵۶ منٹ کے بعد سات اور آٹھ کے درمیان ہم آغوش ہو رہی تھین، سات بج کے
۳۲ منٹ آچکے تھے! اخیر، اب وہ ہوٹل کے نزدیک پہونچ چکا تھا اور دس پانچ
لمبے لمبے ڈگون کے بعد ہوٹل کے دروازے پر تھا! ایک بند گاڑی دروازے
پر کھڑی تھی اور صاف نظر آرہا تھا کہ اسکی سواریان اوترکر ہوٹل مین جا چکین!
اور دس پانچ سیکنڈ، اور مسٹر قمری نمبر ۱۱ کا دروازہ کھٹ کھٹا رہا تھا! وہی آفت
نامعلوم عجیب و غریب ہستی۔ مرد معقول اندر سے نکلا، کچھ کھسر پھسر ہوئی،
مسٹر قمری تنہا اندر گھسے اور دروازہ بند کر دیا گیا!!

سامنے والے خوبصورت سوفہ (sofa s) پر ایک ہیئت انسانی
سفید برقعہ مین نظر آتی تھی! اُسکے پانوٴن خوبصورت لیڈیز پمپ مین چھپے ہوے
تھے، اُسکے ہاتھ اور تمام جسم کی طرح برقعہ مین لپٹے ہوے تھے، مگر پھر بھی مجسس
نظرون کو صاف معلوم ہو رہا تھا کہ برقعہ کی آڑ مین کوئی نازک۔ غالباً دلکش
جسم تھا! مگر! مسٹر قمری کے اندر گھستے ہی برقعہ کو ایک غیر معمولی حرکت ہوئی،
ایک قسم کی لرزش معلوم ہوئی، اور پوشیدہ نازنین کے سانس سے۔ سینے کے پاس
برقعہ ہلنے لگا! اس عجیب ادا کو مسٹر قمری۔ ہمہ تن شوق مسٹر قمری۔ سواے انداز
معشوقانہ کے اور کیا سمجھتا؟ وہ فوراً اُس نازنین کے پہلو مین جا بیٹھا، مگر بدپوش
ہیأت انسانی بر ایسے لرزتی ہوئی کسی قدر دور ہو گئی! مسٹر قمری نے التجا کے رنگ

اور اظہار محبت کے ساتھ کمر میں ہاتھ ڈال دیا، مگر منھ چھپانے والی نازنین ا
بھی اپنے جسم کو علحدہ رکھنا چاہتی تھی، اور مسٹر قمری کا ہاتھ جسم نازنین کی
معمولی لرزش برابر محسوس کر رہا تھا! اب اُسے تاب نہ تھی؛ اس نے برقعہ پ
لیا، اور کھینچ لیا، کھینچ لیا اور دور پھینکدیا! آہ! غضب! ستم!! مسٹر قمری
کے کلیجہ پر ایک ناگہانی گھونسا لگا، اُس کے ہوش و حواس پر ایک نامعلوم بج
گری! وہ مبہوت، وہ گونگا، وہ پتھر کی تصویر بن گیا؛ کیونکہ یہ بے باک
نازنین جس سے وہ اس ناجائز آزادی اور جرأت کی وجہ پوچھنا چاہتا تھا سو
مسز قمری کے اور کوئی نہ تھی!!

+ + + + + + + + + + + + +

مسٹر قمری کی بقیہ زندگی ایک پر مذاق کتاب کا صفحہ سادہ بن گئی
کی ہستی پر خاموشی اور سکوت کا بادل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھا گیا! اکثر لمحے ا
آتے تھے جب کہ وہ بولتے بولتے رک جاتا، دفعتاً خاموش ہو جاتا، بالکل غائ
ہو جاتا! خصوصاً پردہ کی نسبت اظہار خیالات کرتے ہوئے، اب اُس کی ز
لکنت کرتی تھی، اٹکتی تھی، لڑکھڑاتی تھی! وہ کچھ کہتا تو حرف چبا چبا کر، لفظ
دبا کر، اور بات ہیر پھیر کر! کیا اچھا ہوتا کہ وہ مسٹر قمری کے عیوض عزیز حسن
رہتا! مگر تو یہ ہے کہ برابری اسی کو کہتے ہیں، مساوات حقوق کی جیتی جاگ
تصویر یہی ہے!!

انکشاف حقیقت

(مطبوعہ الناظر ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء)

کھلتے نہین ہین راز جو سوز نہان کے ہین
کیا پھوٹنے کے واسطے چھالے زبان کے ہین

جون کے الناظر مین مسٹر شولری (علیگ) نے میرے مضمون "مساوات پردہ بر عکس نہند نام زنگی کا فور" کی سرخی سے کچھ علمی روشنی ڈالی ہے" اور بار بار مجھے کج روی سے آگاہ کیا ہے! دراصل میرا ارادہ اُسپر کچھ زیادہ لکھنے کا تھا اور نہ اسوقت تک مین نے لکھا، مگر میرے کرم فرما اڈیٹر صاحب الناظر کی بار بار یاد دہانی نے مجھے مجبور کیا کہ مین صرف واقعیت کا اظہار کر دون! اگرچہ مجھے اب بھی خوف ہے کہ میری سچی اور صاف باتین "الحق مُر" کے مصداق مسٹر شولری کے ناگوار خاطر نہ ہون!

رہون چپ تو کہین چپ لگ گئی ہے
اگر بولون بتائین یار گستاخ

فی الحقیقت مین نے "مساوات" مین محض پردہ پر ہی اظہار خیالات نہین کیا تھا بلکہ اور کئی باتین بھی ظاہر کی تھین جنکو مسٹر شولری حرف غلط کی طرح مٹا گئے! میرا اصلی مقصد یہ تھا کہ نئی تعلیم یافتہ سوسائٹی نکھین بند

کر کے ہر بات مین بلا تفریق نیک و بد یورپ کی تقلید کرنا چاہتی ہے اور ہر رنگ
مین اپنی قومیت، اپنے مذہب، اپنی خوبیون تک کو مغربی تمدن مین فنا کر دینے پر
تلی ہوئی ہے؛ اسی ہی مین مین نے پردہ پر بھی اظہار خیال کیا تھا اور بیشک اور باتون
سے زیادہ روشن کر کے دکھایا تھا! مسٹر شولری نے تمام باتون کو بالاے طاق
رکھ کر صرف پردہ کو لے لیا اور بغیر سوچے سمجھے یہ بھی فرما دیا کہ ایک لغو قصہ ہے
اسقدر عظیم الشان مسئلہ پر راے لگا کر مین نے نہایت فحش غلطی کھائی ہے!
افسوس تو یہ ہے کہ نئی روشنی کے مقلد۔ مقلدینِ مذہب سے کہین زیادہ نام
پرست مقلد۔ بغیر پوری طور پر معلوم کیے جوش مخالفت مین جو چاہتے ہین فرما
جاتے ہین! مین اپنے لائق دوست کو بتانا چاہتا ہون کہ مین نے پردہ کے مسئلہ پر
پوری طرح غور کرنے کے بعد ایک راے قائم کی ہے اور اب جو کچھ میری راے ہے
جو کچھ میرا کانشنس کہتا ہے، اسکو ظاہر نہ کرنا مین ایک بزدلی اور اخلاقی گناہ
سمجھتا ہون! مین اس بات کا مدعی نہین ہون کہ جو کچھ مین سمجھتا ہون وہ قطعی صحیح
ہے ممکن ہے کہ مین غلطی پر ہون۔ مگر جب تک کہ میری غلطی ثابت نہ کر دی جائے،
کوئی وجہ نہین کہ مین اپنی راے کو غلط سمجھون! کسی مسئلہ پر غور و تحقیق کے
بعد راے قائم کرنے کی تین صورتین ہو سکتی ہین۔ مطالعۂ کتب، تبادلۂ خیالات
اور مشاہدات زندگی! پہلے رنگ کی نسبت صرف اسقدر عرض کرنا ضروری
سمجھتا ہون کہ مین نے محض تحقیق کی غرض سے اس مسئلہ کی نسبت کافی تصانیف

دیکھی ہین، دونون قسم کی - پردہ کے معاونین کی بھی، اور مخالفین کی بھی! لیکن
مین نے جس کتاب کو دیکھا یہ سمجھکر دیکھا کہ اسمین کیا لکھا ہے، یہ سمجھ کر نہین
دیکھا کہ لکھنے والا کون ہے! میرا مشرب یہ کبھی نہین ہوا کہ "میرا آمَن چونکہ مرثیہ
پڑھ رہے ہین اس لیئے خواہ مخواہ رووُن"! حالانکہ مجھے اسکے اظہار مین کچھ بھی
توقف نہین کہ اکثر نوخیز بلند پرواز، آزاد نوجوان اول تو دونون پہلوون پر
ٹھنڈے دل کے ساتھ غور ہی نہین کرتے اور دوسرے جو کچھ دیکھتے ہین یہ
سمجھکر دیکھتے ہین کہ "یہ تصنیف فلان لارڈ، فلان ڈاکٹر، فلان فلاسفر کی ہے
اس لیے بلا چون وچرا قابل تسلیم ہے"! کسی مسئلہ کی تحقیقات کے وقت کسی کتاب
کا مطالعہ کرنے سے پہلے - محض مصنف کے لمبے چوڑے یا غیر مشہور نام کی وجہ سے
اس کتاب کی عزت یا نفرت اپنے دل مین قائم کر لینا، اور اسی اثر مین از خود رفتہ
ہو کر مطالعہ کرنا، تحقیقات کی نہایت ذلیل شان ہے! اگر کسی سر یا فلاسفر کا
فرمانا اس لیئے قابل تسلیم ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کی راے ہے جو نہایت لائق
ہونے کے ساتھ، زندگی کی مختلف صورتون کا مشاہدہ کر چکا ہے، تو میرے خیال مین
سب سے زیادہ قابل تسلیم اُس ہستیٔ بے مثال کے احکامات ہونگے جس نے تمام دنیا
پر سب سے پہلے توحید کا راز کھولا، جسکے برابر سچا، جسکے برابر امین، جسکے برابر مکمل
اخلاق والا، جسکے برابر اُمّی ہونے پر دنیا کے ایک ایک مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے والا،
اور جسکے برابر اخلاقی اور روحانی تعلیم کا کامل معلم آجتک دنیا پیش نہین کر سکی

ہ نہ آئندہ کر سکے گی!

اُن سے کہدی ہے آرزو دل کی　　　اب مری بات کا جواب کہاں؟!

تحقیقات کی دوسری صورت تبادلہ خیالات ہی؛ اسمین بھی پورا وقت
صرف کر چکا ہون۔ زبانی طور پر بھی اور تحریر کے رنگ مین بھی! "تمدن" مین کم و بیش
چھ مہینے تک پردہ پر مضامین نکلتے رہے ہین اور اکثر حضرات اپنی بیش بہا رائے
ظاہر کرتے رہے ہین! اُسی زمانہ مین مین نے ایک مضمون "بھائی کا خط بہن کے
نام" تمدن مین لکھا تھا جسکی مخالفت مین میرے عنایت فرما پروفیسر زاہدی۔ بی
ے کے نام سے "بہن کا خط بھائی کے نام" دوسرے پرچے مین شایع ہوا، اور اسکے
بعد پھر دوبارہ مین نے "بھائی کا خط بھائی کے نام" والے مضمون مین اپنے پہلے
خیالات کی تائید کی! مختصر یہ کہ ایک عرصہ تک یہ بحث "تمدن" مین جاری رہی اور مجھے
اسکے ظاہر کرنے مین ذرا بھی دریغ نہین کہ کوئی صاحب میری ایک غلطی بھی ثابت
کرنے مین کامیاب نہ ہوئے! بلکہ افسوس ہے کہ مجھے یہ اور معلوم ہو گیا کہ اکثر لائق
گریجویٹ بغیر سوچے سمجھے طوفان مغربی مین کود پڑتے ہین، اور کسی پرانی خوبی کا بھی
محض اس خیال سے کہ سالخوردہ مسائل کا ماننا نئی تہذیب، نئی روشن دماغی، اور
نئی آزاد خیالی کی کسر شان ہے۔ کبھی اقرار کرنا گوارا نہین کرتے! پھر کوئی وجہ
نہین کہ مین پردہ کی حمایت نہ کرون اور بے پردگی کو قومیت اور مذہب
دونون کو ہلاک کر دینے والی وبا نہ سمجھون! اچھا ہوتا کہ مسٹر شولری "تمدن" کی

پہلی آٹھ دس جلدیں ملاحظہ فرمالیتے اور اُسکے بعد میرے بوسیدہ دقیانوسی خیالات کی اصلاح فرماتے! یہاں مجھے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مین اُس پردہ کا حامی ہون جسکا حکم مذہب سے دیا گیا ہے، چار دیواری کی قید کو مین پردہ نہین کہہ سکتا بلکہ ناجائز ظلم سمجھتا ہون! البتہ شرعی پردہ کا حامی ہون اور رہونگا۔ جب تک کہ کوئی میری کج روی یا غلط فہمی ثابت نہ کر دے مین یقین دلاتا ہون کہ مین بحث یا پرانی لکیر کی خاطر ہٹ دھرم بننا نہین چاہتا ہون اور اپنی غلط فہمی ثابت ہوتے ہی فوراً اپنے خیال سے دست کشی کے لیے تیار رہون! مگر سچ یہ ہے کہ مجھے اب اسکی امید روز بروز کم ہوتی جاتی ہے کیونکہ پردہ کے مخالفین مین سے وہ حضرات جن سے مجھے تبادلۂ خیالات کا موقعہ ملا۔ میری نظر مین۔ بالکل کورانہ تقلید کرنے والے ثابت ہوے! مجھے سخت افسوس ہے کہ مسٹر شولری نے جو کچھ راے "مساوات" کی نسبت ظاہر کی وہ بغیر کسی تحقیق یا جستجو کے ظاہر کی! اور زیادہ تر پردہ کے مخالفین کا یہی رنگ ہے!

آن کس کہ خود گم است کرا رہبری کند

اب صرف مشاہدات زندگی یعنی آخری صورت باقی رہی! اسی کی نسبت مسٹر شولری نے اپنی راے مین مجھ پر بڑا گہرا اعتراض کیا ہے! حالانکہ مین سچائی کے ساتھ بلا تامل کہونگا کہ مجھے سب سے زیادہ پردہ کا حامی بنانے والی چیز یہی مشاہدۂ واقعات ہے! شروع شروع۔ اُس زمانہ مین جبکہ مجھے صرف ایک ہی رخ کا

علم تھا۔ مین بھی ایک حدتک پردہ کا مخالف تھا! مگر جسقدر مجھے تجربہ ہوتا گیا۔ مین
دونون پہلوؤن پر ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کرتا گیا۔ اور اکثر حضرات سے
اس مسئلہ پر تبادلہ خیالات کا موقعہ ملتا گیا، اُسیقدر مین اپنی پہلی رائے سے ہٹتا
گیا، دور ہوتا گیا، اور یہانتک کہ اب پردہ کا حامی ہون! میری آنکھون نے
بے پردگی کی تصویرین اچھی نہین دیکھین اور میرے کانون نے آزادی کے
واقعات اچھے نہین سنے! افسوس کہ مین اون واقعات کو نام اور پتہ کے
ساتھ نہین لکھ سکتا ورنہ غالباً مسٹر شولری اُنکو "مساوات" سے زیادہ بے
سروپا بتاتے، کیونکہ وہ بھی۔ جہانتک معلوم ہوتا ہے۔ ہر واقعہ کو مغربی تمدن
کی چشمہ لگا کر دیکھتے ہین! اسکو بھی جانے دیجیے۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہوگا کہ
مجھے کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا، مین نہین کہہ سکتا کہ مین نے وہان کیا دیکھا؟
اس موقعہ پر مین سخت سے سخت قسم کھا کر یقین دلاتا مگر افسوس یہ ہے کہ
مجھے معلوم نہین کہ مسٹر شولری میرے لائق معترض۔ مسلمان ہین یا عیسائی؟
پارسی ہین یا یہودی! کیونکہ معاف فرمائیے گا لفظ شولری سے کسی مذہب و
ملت یا قومیت کا پتہ نہین چلتا! شاید یہ بھی میرے محدود علم کا قصور ہو!!

وہ بن اوسکا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی ہمہ دانی میری

ہان تو مین کلکتہ گیا، اور اپنے ایک عزیز دوست کے یہان ٹھہرا، جو
وہان پولیس آفیسر ہین! محض اُنکی وجہ سے۔ جسکے لئے مین اُنکا ممنون ہون

مجھے زندگی کے مختلف شعبون کا نہایت اچھا تجربہ ہوگیا! مین یورپین کوار ٹر سے
دور نہین تھا اس لیے اُنکی زندگی۔ ترقی یافتہ، روشن زندگی میرے سامنے تھی!
اگرچہ میرے قیام کی تعداد برس چھ مہینے نہین تھی، لیکن اسیوجہ سے اور زیادہ
قابل افسوس ہی، یعنے تھوڑا عرصہ اور ا وسمین ایسے بیہودہ ناشایستہ ذلیل!
واقعات کا مشاہدہ!! مسٹر شولری نے تو محض تعجب کے ساتھ مضحکہ اڑانے
کی کوشش مین لکھا ہے، لیکن مین بقسم کہتا ہون کہ بعض نہین اکثر واقعات
ایسے ہین جو ہمارے جاہل شہرون کی نیم وحشی رنڈیان بھی کسی صورت مین
گوارا نہین کرسکتین: اور یہ حرکات یہ شرمناک یہ ناقابل بیان وحشیانہ حرکات
جن سے سرزد ہوئین وہ اوسی قوم کی تعلیم یافتہ سوسائیٹی کی صنف نازک مین سے
تھین جسکی ذرا سی بات بھی مسٹر شولری کا دل بُری طرح کھینچے لیتی ہو! آہ! کچھ نہ
پوچھیے کہ مین نے انفنسٹن بائیسکوپ مین کیا دیکھا؟ انگلش تھیٹر مین کیا دیکھا
رات کے وقت چورنگی کی سڑک پر کیا دیکھا؟ شرمناک حرکات ناجائز آزادی
کی زندہ تصویرین عشق پرستی کی ناقابل بیان حالت!! اور یقین کیجیے کہ یہ تمام
باتین اُسی حصہ مین نظر آئین جو ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ، مہذب، اور آسودہ ہے!
شرم! شرم!! اب مسٹر شولری فرمائین کہ اُنھون نے میری رائے کو محض
رینالڈز کے ناول پڑھنے کا نتیجہ سمجھتے ہین۔ اس حالت مین جبکہ مین رینالڈز کی
تصانیف کو پڑھنے کے قابل بھی نہین سمجھتا حقیقت اور واقعیت کا گلا یورپ کے

بنے ہوئے راجرز کے تیز چاقو سے کاٹا ہے یا نہین؟ یا شاید اُنکی رائے مین
اُنکو رکھا اور اچکن پہین کر گناہ کرنا گناہ عظیم ہے لیکن رینکن کے ہان کا سلا
ہوا ڈرس سوٹ پہن کر بُری سے بُری حرکت بھی محض فلرٹیشن ہے اور بس!!

حال ہی مین مجھے اپنے ایک عزیز سے جو ابھی ابھی ولایت سے بار مین
کامیابی حاصل کرکے آئے ہین، گفتگو کرنے کا موقعہ ملا یہ وہ مسٹر شولری سے
زیادہ پردہ کے مخالف ہین: جس رنگ مین اُنھون نے پردہ کو بیکار ثابت
کیا واقعی قابل تسلیم ہے! لیکن سوال یہ ہے کہ جس جذبہ کو لغو اور جاہلانہ مان کر
اُنھون نے پردہ کو نقصان رسان ثابت کیا، ہندوستان کی ترقی یافتہ
سوسائیٹی بھی اس جذبہ کو لغو اور فضول تسلیم کرتی ہے یا نہین؟ اثنائے گفتگو
مین اُنھون نے یہ تسلیم کیا۔ اور ہر صحیح الدماغ شخص تسلیم کریگا۔ کہ "پردہ اُٹھا
دینے کے بعد طبقۂ نسوان کو پوری آزادی دینی پڑے گی، اور ضرور پڑے گی!
کوئی روک ایسی قائم نہین کیجا سکتی کہ وہ کچھ آزادی جو مرد بخوشی انکو دینا
چاہتے ہین لے لین، اور کچھ آزادی جو مرد اُن کو دینا نہین چاہتے۔ اب یا کچھ عرصہ
کے بعد۔ نہ لین" این خیال ست ومحال ست وجنون! طبقہ نسوان کو پردہ سے
نکل کر قطعی ہر طرح کی آزادی حاصل ہوگی، آج نہین تو کل، کل نہین تو پرسون،
بخوشی یا بجبر، ہر طرح کی آزادی دینی پڑے گی! ساتھ ہی اُنھون نے صداقت اور
صاف گوئی کے ساتھ اس بات کا بھی اقرار کیا کہ عصمت باقی نہین رہ سکتی،

خود اُنکی تقریر کم و بیش یہ تھی "واقعی عورت کے لیے فائڈلیٹی (مرتے دم تک عصمت قائم رکھنا)

بہت بڑی چیز ہے اور نہایت اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے! اسکے یہ معنی ہین کہ عورت اپنی

محبت مین سچی وفا شعار، اور راستباز ہو! لیکن اسکا آغاز اُسوقت سے ہوگا

جبکہ اُسکی شادی ہوجائے اور وہ ایک شخص کو اپنی زندگی کا شریک اور ساتھی

منتخب کرلے! شادی ہوجانے کے بعد کسی عورت کا بدچلن ہونا اپنے شوہر سے

کسی رنگ مین بھی دغا کرنا واقعی ایک نہایت نازیبا حرکت ہے اور ایسی حرکت کا

ارتکاب ایک تعلیم یافتہ عورت سے ناممکن ہے! لیکن شادی ہونے سے پیشتر

مرد کی طرح وہ بھی اپنی زندگی کی مالک ہے اور اُسوقت فائڈلیٹی کا فرض اُسکے

ذمہ نہین ہے! عصمت اگر فائڈلیٹی کے ہم معنی اور مرادف ہے تو ضرور قائم

رہے گی اور اگر یہ ایک جاہلانہ خیال ہے کہ عورت شادی ہونے سے پہلے بھی

اچھوتی رہے تو بیشک قائم نہین رہ سکتی! ایک تعلیم یافتہ مہذب لڑکی

شادی ہونے سے پہلے آوارہ نہین ہوسکتی، مگر اسمین بھی شک نہین کہ انگلینڈ

مین ایک سادہ لوح شخص بھی شادی کے وقت یہ بھولکر بھی نہین سمجھ سکتا کہ

کہ جس لڑکی سے وہ شادی کر رہا ہے وہ اچھوتی ہوگی۔ یا بالفاظ دیگر۔ وہ

پہلا شخص ہوگا جو اسکو چھوئے! دراصل انگلستان مین کنواری لڑکی کے

معنی محض غیر شادی شدہ کے ہین، اور کسی کنواری لڑکی کو کنواری کہنے

سے یہ مفہوم نہین ہوتا کہ وہ اچھوتی اور باکرہ ہے۔ باکرہ ہونا یا عصمت

ہونا، یا کنواری سے وہ مراد لینا جو ہندوستان مین لی جاتی ہے، محض جاہلانہ اور وحشیانہ خیال ہے اور انگلستان مین کوئی احمق بھی اس مفروضہ خوبی کو تلاش کرنے کی کوشش نہین کرتا۔ جسوقت آزادی ہوگی سوسائٹی مرد اور عورت دونون کی شرکت سے وجود مین آئیگی تو مرد و عورت کے ایک دوسرے سے ملنے کے ہزارون موقع ہونگے، پھر اگر دو طبیعتین ملنا چاہین گی تو کوئی چیز ان کے درمیان حائل نہین ہوسکتی۔ کسی فوری جذبہ یا کسی چلتے پرزے نسان اور خوبصورت نوجوان کے اثر کو نظرانداز کردیا جائے تو بھی جسوقت مرد اور عورت نیک ارادہ کے ساتھ ایک دوسرے کے مونس زندگی بننے کے لیے مدمقابل کے اوصاف اطوار کا اندازہ کرین گے تو قربت۔ آزادی ملی ہوئی اثر ڈالنے والی قربت ضرور ہوگی۔ ممکن ہے بلکہ اکثر ایسا ہوگا۔ کہ مسٹر زید اور مس ہندہ ایک دوسرے کو جانچ لینے کے بعد جسمین دونون کو اکثر خوش نصیبی کی گھڑیان بھی ضرور حاصل ہوچکی ہونگی۔ آپسمین شریک زندگی بننے کے لیے راضی نہون، اور اون دونون مین سے ہر ایک علٰحدہ علٰحدہ کسی اور کو اپنا شریک رنج و الم بنانے کے لیے تلاش کریگا۔ کوئی نہین بتا سکتا کہ وہ اب بھی کامیاب ہون یا نہین، اور کوئی اندازہ پیش نہین کرسکتا کہ ایک مرد کسقدر عورتون کو یا ایک عورت کسقدر مردون کو اچھی طرح پرکھ کر اپنی مرضی کے موافق مونس زندگی حاصل کرنے مین کامیاب ہوا۔ نہ یہ ارادہ کسی طرح قبیح ہے اور نہ اسکی کوشش پر انگشت نمائی کیجاسکتی ہے۔

البتہ جب ایک مرد و عورت ایک دوسرے کو منتخب کر کے اپنی اپنی زندگی کو
وابستہ کر دیں گے تو انکی راستبازی اور وفا شعاری کی زندگی کا آغاز ہوگا؛ اس
سے پیشتر عورت کو مجبور محض بنانا اور ایک مفروضہ خوبی عصمت کے لیے اچھوتا
بنانے کی کوشش کرنا، بالکل لغو اور جاہلانہ خیال ہے! چونکہ ہندوستان
مین باکرہ اور کنواری کا ایک خاص مفہوم مقرر کر لیا ہے، اسلیے یہان کے
اشخاص عصمت کے خلاف ایک حرف بھی سننا گوارا نہین کرتے! یہ بالکل
ویسا ہی جاہلانہ خیال ہے جیسا کہ عرب مین زمانہ جاہلیت مین دختر کشی کا تھا!
اس زمانہ کے عرب کسی کو اپنی بیٹی دینا ایک ایسی ناقابل برداشت ذلت سمجھتے
تھے کہ اسکو زندہ گاڑ دینا گوارا کرتے تھے لیکن خسر بننا یا داماد بنانا کسی طرح
گوارا نہین کرتے تھے! بالکل اسی طرح ہندوستان بھی آجکل ایک مفروضہ خوبی
عصمت کو ذرا بھی خطرہ مین ڈالنا نہین چاہتا اور اس سے بہتر یہ سمجھتا ہے کہ
طبقۂ نسوان کو ترقی سے، تعلیم سے، دنیا کی ایک ایک نعمت سے محروم کر دے!
اب دیکھئے وہی عرب جو دختر کشی کے عامل تھے، اپنی لڑکیون کو پال پوس کر بڑا
کرتے ہین نہایت مسرت کے ساتھ ایک مرد کے حوالے کر دیتے ہین؛ اب اس
فعل سے نہ انکی طبیعت کو ندامت ہوتی ہے اور نہ انکی شرافت کو بٹہ لگتا ہے"
بلکہ اب جو وقت انکو اپنا پرانا رواج یاد آتا ہے تو افسوس کرتے ہین اسپر نفرین کرتے
ہین! ہندوستان بھی انگلستان سے ترقی مین پیچھے ہے اور بہت سی جاہلانہ باتونکا

عادی ہے: جب وہ ترقی کے زینے پر ایک سیڑھی اور چڑھے گا تو اُسے بھی یہ تمام
رواج اور لغو عصمت کا جذبہ ایک محض جاہلانہ خیال اور فحش غلطی نظر آنے لگے گا"!
یہ ہے اُس بحث یا گفتگو کا لب لباب جو مجھ مین اور میرے عزیز مین پیش
آئی! مین لفظ بلفظ اپنے عزیز کا ہمنوا بننے کے لیئے تیار نہین ہون۔ مثلاً مین
مشکل سے مانون گا کہ ہر تعلیم یافتہ آزاد عورت شادی ہونے کے بعد مرتے دم
تک سچی ثابت ہوگی اور دنیا کے دلکش نظارے یا دھوکہ دینے والے اور جذبات
مین اندھا کر دینے والے واقعات کا اثر کبھی اُسکو ذرا بھی نہ ڈگمگا سکے گا، یہ بات
بھی غور طلب اور بہت بحث طلب ہے، کیونکہ میری آنکھون نے وہ نظارے
کلکتہ مین خود دیکھے ہین جبکہ ایک تعلیم یافتہ دل و دماغ تھوڑی دیر کے لئے اسقدر
از خود رفتہ ہو جاتا ہے کہ کوئی اعلےٰ سے اعلیٰ نصیحت یا مؤثر کا لکچر بھینس کے
سامنے بین بجانے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا! دوسرے مین اسکے بھی قطعی
مخالف ہون کہ پردہ کی وجہ سے طبقۂ نسوان ترقی تعلیم اور دنیا کی نعمتون سے
محروم رہیگا! پھر یہان مجھے یاد دلانا پڑا کہ مین شرعی پردہ کا حامی ہون، اُس سے
زیادہ رواج اور ہندوستان کی چار دیواری والی قید میرے خیال مین نہ پردہ ہے
نہ اس لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے! شرعی پردہ کبھی ہرگز تعلیم مین حارج نہین
ہوسکتا، دنیا کی کوئی نعمت۔ جائز نعمت۔ ایسی نہین بتائی جاسکتی جسکا لطف
شرعی پردہ کی پابندی مین حاصل نہ ہوسکتا ہو، بلکہ میرے خیال مین بیپردہ ہی

وہ چیز ہوگا جو محض لغویوں اور خوبیوں کو طبقۂ نسوان تک آنے دیگا اور اس سے
زیادہ لغویات فضول حرکات، فیشن اور انداز و ناز، ان سب کو دور رکھے
گا! خیر۔ مختصر یہ کہ مین اپنے لائق عزیز کا اول سے آخر تک تو ہمخیال نہین
ہو سکتا، مگر یہ ضرور کہونگا کہ اگر عصمت کو محض مفروضہ وحشیانہ جذبہ سمجھ لیا
جائے تو پردہ بیکار اور فضول چیز رہ جائیگا کیونکہ پردہ سے اور فوائد بھی سہی
لیکن سب سے بڑا فائدہ یہ ہی تحفظ عصمت ہے! یہ رنگ۔ اور صرف یہ
رنگ ایسا ہے جس سے ایک پردہ کا مخالف پردہ کو فضول ثابت کر سکتا ہے
لیکن افسوس یہ ہے کہ بزدل حضرات اصل مطلب کو دبانا چاہتے ہین!
چھپاتے ہین، اور ایسے موقع پر حرف چبا جاتے ہین! پردہ کے مخالفین کا
یہ دعویٰ کہ پردہ اُٹھا کر عصمت۔ وہی دقیانوسی عصمت۔ قائم رہیگی، محض
لغو اور مہمل ہے۔ اسقدر مہمل ہے کہ ہر ایسا شخص جو ولایت کی زندگی دیکھ چکا ہو
اور صداقت و حقیقت کا انکشاف کرنے سے نہ ڈرتا ہو ضرور اس دعوے کو قطعی
بے بنیاد کہے گا! بہتر یہ ہے۔ اور غالباً شریفانہ بھی یہ ہی ہے۔ کہ پردہ کے مخالفین
اصل مطلب کو پردہ مین چھپا کر سادہ لوح حضرات کو سبز باغ نہ دکھائین بلکہ نہایت
مردانگی و جرأت کے ساتھ حقیقت کا اظہار کرین اور سب سے پہلے تو ہم پر یہ ثابت
کر دین کہ عصمت محض ایک ڈھکوسلا ہی! پہلے یہ دقیانوسی اور غلط خیال پردہ
کے معاونین کے دل سے دور کرین پھر پردہ خواہ مخواہ پار ہو جائیگا! رونا تو اسی بات

کا ہے کہ نئی روشنی والے حضرات اسقدر بھی جری نہین کہ دقیانوسی اشخاص کے
سامنے جس بات کو وہ حق سمجھ رہے ہون اُسکا اعلان ڈنکے کی چوٹ کرین اور
ثابت کردین کہ قوم عصمت یا بکردین کومان کر۔ اُسی دقیانوسی رنگ مین
مانکر۔ سخت غلطی اور نقصان کررہی ہے!!

دل کو ہوتی ہے خبر آپ کہین یا نہ کہین ہم کو معلوم ہے وہ بات جو مشہور نہین

اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ غلطی قوم پر کیونکر ثابت کیجائے؟
اسکے لیے دو صورتین بظاہر نظر آتی ہین (۱) بذریعہ تحریر و تقریر (۲) بذریعہ
عمل! اقوام عالم کی ترقی کے کارنامون پر غور کرنے سے اچھی طرح ثابت ہو
جاتا ہے کہ ہر مجدد وقت، رہبر قوم، مصلح تمدن، نے جب کسی پستی کی طرف جانے
والی قوم مین اعلٰے خیالات پھیلائے ہین تو زیادہ تر عملی زندگی سے! بوسیدہ
مذہب اسلام بھی جب کبھی پھیلایا گیا تھا تو اسیطرح کہ ہادی برحق نے تمام
مصائب اور طعن و تشنیع کی۔ ہی برابر بھی پروا نہین کی تھی اور جو کچھ فرمایا تھا
خود اسپر عامل ہوکر اور اپنے سچے عقیدت مندونکو ویسا ہی کمل بناکر دکھا دیا تھا!
یہی وہ بات تھی جو اور تمام طریقون سے زیادہ اشاعت اسلام کا باعث ہوئی
اور یہی وہ جادو تھا جو پتھر جیسے دل پر بھی کارگر ہوئے بغیر نہین رہا! اگر خود ہندوستان
ہی کی مثال کی ضرورت ہو تو سر سید کو دیکھ لیجئے! انھون نے کیا کیا یہی کہ وطن کو
چھوڑا، عزیز و اقارب کو چھوڑا، بڑے سے بڑے الفاظ سے کفر کے فتوے صبر کے

ساتھ برداشت کیے، غرض ہر تکلیف اُٹھائی لیکن جو کچھ کہا کیا - اور کر دکھایا! اکثر مسئلہ ایسے ہیں جو محض تحریر و تقریر سے اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہوسکتے، اسلئے انکو محض زبانی سمجھنے سے طرح طرح کے شبہات باقی رہجاتے ہیں! اسکا ثبوت سائنس کی تعلیم اور اُسکے مسائل سے اچھی طرح مل سکتا ہے کہ کسی مسئلہ کو زبانی سمجھانے سے، بذریعہ مشاہدہ و تجربہ سمجھانے کا رنگ نہایت عمدہ اور اچھا ہے! کیا وجہ ہے کہ دقیانوسی اشخاص تحریر و تقریر میں خواہ مخواہ بحث کرکے بات بات میں نقص نکالتے ہیں اور اچھی بات کو نہیں مانتے تو بذریعہ عملی زندگی خود عامل بن کر اُن کو کیوں نہیں دکھایا جاتا؟ یہ ایسی صورت ہوگی کہ عیب و ثواب صاف عالم آشکارا ہوجائیگا اور پھر کسی کو ہٹ دھرمی کرنے کی گنجائش نہوگی! بعض پردہ کے مخالفین انتہائے متانت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ پردہ اُٹھا دینا ابھی ہندوستان میں بُری مچھوڑ "قبل از وقت ہے! لیکن مجھ جیسے دقیانوسی کی نگاہ میں قبل از وقت کا فقرہ محض لغو حیلہ یا کمزوری اخلاق کے سوائے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا! عورتوں پر ظلم ہورہا ہے، اُنکے حقوق پامال کیے جارہے ہیں، وہ زندہ درگور ہیں، مگر اُنکے حامی، اُنکے حمایتی، محض آستینیں اوپر سرکا کر گولڈن رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہیں اور فرمادیتے ہیں کہ ابھی عملی کارروائی کا وقت نہیں آیا ہے! خوب! یہ حمایت واقعی اپنی مثال آپ ہی ہے! جب ایک بات کے ماننے والے ہی اسپر عامل نہیں ہوسکتے تو مخالفین بیچاروں کو الزام دینے سے کیا حاصل؟ یہ صحیح ہے کہ ہر انقلاب

دفعتہً نہین ہوسکتا، لیکن اسکے معنی یہ نہین ہین کہ کسی خوبی کے جاری کرنے کے
لیئے بھی فارچون ٹلر سے وقت اور ساعت مہینہ اور دن دریافت کیا جائے اور
اُسکا آغاز بھی نہ کیا جائے! کسی نئی بات کے جاری کرنے مین مخالفت کا ہونا یقینی
امر ہے، مگر طریقہ یہ ہوا کرتا ہے کہ اُس بات کے ماننے والے خود عامل بنکر ایک زندہ
مثال کا کام دیتے ہین، اور چونکہ انکی بات دراصل ایک خوبی ہوتی ہے اس لیے
مخالفت کا زور گھٹتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ تمام اشخاص۔ اُس زندہ مثال کے
مشاہدہ سے سبق لیکر اُسی راستہ پر آجاتے ہین! گویا انقلاب فوری نہونے کا
یہ مطلب ہے کہ تمام افراد قوم۔ ہر کس و ناکس۔ ایک ساتھ نہین پلٹ سکتے
بلکہ رفتہ رفتہ ایک پوری قوم مین کسی نئی بات کا اجراء ہوا کرتا ہے! اس سے
صاف ظاہر ہے کہ بنیادی پتھر رکھنے والون کو کسی وقت کا انتظار نہین کرنا چاہیے
کیا چاہتے ہین کہ دنیا سے۔ یا کم از کم انکی قوم سے۔ مخالفت کا جوش پہلے فرد ہوجائے
پھر وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوے آگے بڑھین؟ اگر اسی کا انتظار ہے تو یقین
کیجئے کہ کسی نئی بات کے پھیلانے مین مخالفت کا نہونا نامعلوم، اور کہنا پڑتا ہے کہ "نہ نومن
تیل ہوگا نہ رادھا ناچین گے!" ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ پردہ کے مخالفین مین اسقدر
بھی جراٴت نہین کہ وہ کم از کم اپنے گھر کے قیدیون کو تو رہا کر دین، اور اُنکو تو حقوق
دیدین جنکے حقوق محض انکے اپنے ہاتھ مین ہین اور وہ خود پامال کر رہے ہین!
عصمت کو پہلے خود لغو جذبہ سمجھیے، قولاً و فعلاً اُسکے عامل بنکر دنیا نوسی اشخاص کو

دکھائیے، اور خدا کے لیے رسول کے لیے۔ نہین تو انھین مصیبت زدہ عورتون کے لیے سلائی کا کام آج ہی شروع کیجیے، خواہ مخواہ کا بہانہ بنا کر کل پر نہ ٹالیے!

معلوم نہین کل مری تقدیر مین کیا ہو   لے نالۂ دل عالم بالا کی خبر آج

قبل از وقت کا معمہ کوئی نئی روشنی والا ہی خوب سمجھتا ہوگا، ہم دقیانوسی تو قول و فعل مین زمین آسمان کا فرق دیکھکر سوا اسکے اور کیا عرض کرین کہ وہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور! "آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگران ہم مپسند"! مختصر یہ کہ اس جبر وظلم کا اب بھی جاری رہنا اور پردہ کے عیوب دنیا پر نہ ثابت ہونا، محض مخالفین پردہ کی اخلاقی کمزوری، بزدلی، حیلہ سازی اور تساہل کا نتیجہ ہے! دقیانوسی دماغ اسکو نہین سمجھ سکتا کہ آزادی کے ڈھول بجانے والے پہلے اپنے ہان اس آزادی کو جاری کیون نہین کرتے؟

چاک ہو پردۂ وحشت مجھے منظور نہین   ورنہ یہ ہاتھ گریبان سے کچھ دور نہین

سب کے آخر مین اُن الفاظ پر جو مسٹر شولری نے میری طبیعت اور طرز تحریر وغیرہ کی نسبت ظاہر فرمائے ہین، مین تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہون! اور نہایت مختصر طور پر عرض کرنا چاہتا ہون کہ مسٹر شولری دراصل میرا مفہوم نہین سمجھے! میرا مقصد "مساوات" سے صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہم آجکل اپنی قومیت، اپنے مذہب، اور اپنی خوبیون کو بھی مغربی تمدن مین فنا کرنا چاہتے ہین۔ اور ایسا کرنے سے ایک بڑی غلطی کر رہے ہین! میری راے مین۔ ایک

بوسیدہ دماغ والے کی رائے میں۔ بہتر یہ نظر آتا ہی کہ ترقی یافتہ قوم کی محض خوبیان لے لی جائین اور اپنے عیوب چھوڑ دینے کی کوشش کیجائے! غالبًا یہ ہی ترقی کا راستہ ہے اور ترقی کرنے والی اقوام نے ایسا ہی کیا ہے اور نہ مغربی تمدن مین جہان ہمارے تمدن سے۔ موجودہ مسخ شدہ تمدن سے زیادہ خوبیان ہین، وہان عیوب بھی ہمارے عیوب سے بہت زیادہ ہین! اسلیے اپنے تمدن کو یکقلم چھوڑکر مغربی سانچے مین ڈھل جانا یعنے چولھے مین سے نکل کر بھاڑ مین جانے سے کم نہین ہوگا! صرف پردہ کی نسبت تو اسقدر کہدینا کافی ہے کہ تحریر و تقریر بحث و مباحثہ، مضامین نگاری و نوحہ خوانی بہت کچھ ہو چکی! کان سنتے سنتے پھوٹ گئے اور آنکھین پڑھتے پڑھتے دکھنے آگئین! اب تو دل و دماغ۔ وہی بوسیدہ سالخوردہ دل و دماغ۔ اور اُسکے ساتھ نظرین بے چین ہین کہ اس نئی نویلی روشن زندگی کو دیکھین اور اپنی غلطی سے آگاہ ہوکر ترقی کے ریس کورس پر سرپٹ جانے والے شتر بے مہار کے پیچھے گردن جھکا کر ہولین! بس تو بسم اللہ کیجیے!

نبھے گی یارو ن مین کوئی اگر یہ تو بہ زاہد خدا خدا کر

کہا کی حجت ہی فیصلہ کر شتاب نادان پی پلا کر

پھر بھی عمر قید!!

مطبوعہ الناظر ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۳ء

(۱)

اس سے اچھی، اس سے عمدہ، اس سے بہتر جگہ ملنی ظاہرہ تو قریب قریب ناممکن
کے ہی تھی! ذرا غور تو کیجیے ہندوستان کے انٹرنس، ولایت کے بیرسٹر، تہذیب
یافتہ، روشن خیال، پھر سب سے زیادہ متمول، بس اور کیا چاہیے؟

رہی یہ بات کہ میر حسن کی نانی پر باندی ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے تو یہ کچھ
قابل لحاظ بات نہیں، گذر گیا وہ زمانہ کہ جب فلان بن فلان کی بہت چھان
بین کی جاتی تھی، اب تو شریف خون کی قدر بھیڑ بکری کے خون کے برابر بھی نہین!
یہ مان لیا کہ میر حسن کے باپ شبیر حسن عزت کے لحاظ سے نہایت کم رتبہ شخص تھے،
بالکل صحیح ہے کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ مین مفلسی کی وجہ سے محلہ کی سڑک والی
لالٹین کے نیچے رات کے اکثر گھنٹے مدرسہ کا کام کرنے مین گزارا کرتے تھے؛ اور اس
مین بھی شک نہین کہ بیچارے مرتے مرگئے لیکن اپنی ٹکے گز کی چال کبھی نہین چھوڑی!
مگر مرے مردے اُکھیڑنے سے کیا فائدہ؟ شبیر حسن نے اچھا نہ کھایا، اچھا نہ پہنا، زندگی
کا کوئی لطف نہ اُٹھایا لیکن کوڑی کوڑی کو دانت سے پکڑ کر رکھا تو سہی! تجارت کو
خدا کی دین بابرکت کہا جائے تو بجا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے کہاں سے کہاں پہونچ گئے

میر حسن کو اُنھوں نے انٹرنس سے زیادہ نہ پڑھایا، تعلیم سے چھٹا کر فوراً ہی تجارت
مین لگا دیا، اور نوعمری ہی کے زمانہ مین ہی ایک غریب جگہ شادی بھی کر دی! اس
نئی دُلہن کو شادی کے بعد حقیقی مسرت کبھی حاصل نہوی۔ خدا جانے کیا وجہ تھی
یہ بیچاری روز بروز کانٹا ہی ہوتی گئی؛ مگر اس زمانہ کا اثر اب کیا رہا؟ کچھ بھی
نہین! میر حسن کے ہان اولاد کے نام چوہے کا بچہ بھی نہین ہوا، باوا کے مرنے کے دو
سال بعد بیوی بھی قبرستان مین جا سوئی؛ نہ جھگڑا رہا نہ ٹنٹا، میر حسن بالکل بخنت ہو گئے!

تجارت کا بکھیڑا بھی ٹھکانے لگا دیا، اور پرانے خیالات کی جھول بھی یکقلم
اُتار پھینکی! اب کون سی بات ہے جس پر کوئی بھول کر بھی اُنگلی اُٹھا سکے! مان باپ کی
پیدا کی ہوئی چار سو ماہوار کی جائداد اور چالیس ہزار نقد؛ سر آئین بیر جا ہین! انگلستان
جانا اور پورے آٹھ سال رہ کر بیرسٹر ہو آنا کیا مشکل تھا؟ چلو یون ہی سہی
کہ میر حسن صاحب آٹھ سال کے بعد کینچلی اُتار کر مسٹر مارسین بار ایٹ لا بن کر ولایت سے
آئے تو چالیس ہزار نقد کے بجاے دو ٹرنک سوٹون سے بھرے اور کچھ بیش قیمت
بوٹ اور شوز! مگر پھر بھی بیرسٹری کی سند اور چار سو روپیہ ماہوار کی مستقل
آمدنی موجودہ زمانہ مین بہت بڑی چیز تھی! کر ملا اور نیم چڑھا، سب سے زیادہ
بے فکری اور خود مختاری! خرچ اخراجات کے لیے نہ مان باپ سے لڑنا تھا، نہ
قلیل محنتانہ پر چھوٹی چھوٹی عدالتون مین مارا مارا پھرنا؛ نہایت شان و شوکت
کے ساتھ ہائیکورٹ مین کام شروع کیا اور ہمیشہ اس پر نظر رکھی کہ جلد ہی کام
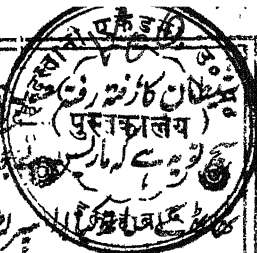
[illegible] کچھ ہوا اور جو کچھ رہ گیا ہے وہ اب ہو جانے کا، لیکن
کچھ تو ہے کہ مارسن [illegible] کچھ کیا۔ نہایت اطمینان، نہایت خاموشی، اور نہایت
[illegible] پھر لڑنا کہ پانچ سال کی پریکٹس مین وکالت کی آمدنی
ساڑھے تین سو ماہوار تک بھی نہین پہونچی، ایک فضول سی بات ہے: ہان یہ
امر قابل غور ہے کہ پچھلے سال مسٹر مارسین پراونشل کاونسل کی ممبری کے لیئے
کھڑے ہوئے تھے! اب یہ بات کہ مسٹر مارسین کو ڈیڑھ سو مین سے کٹ کٹا کر
کم وبیش دس رائین ملی تھین، مجھ سے پوچھیے تو رائے دہندگان کی جہالت
پر دال ہے: کیونکہ ہندوستان کی رائے دہندہ اپنی ذاتی رائے تو۔ بلا مبالغہ اسی
فیصدی۔ کچھ رکھتے ہی نہین اور بیس فیصدی ایسے ہین جو روزانہ ہوا کے رخ کے
ساتھ اپنی رائے بھی الٹتے پلٹتے رہتے ہین! مسٹر مارسین اول تو کسی کے پاس جانا
ہی اپنی کسر شان سمجھتے تھے اور اگر بھولے بھٹکے کہین چلے بھی گیے تو محض انکی شکل
دیکھتے ہی دروغ برگردن راوی۔ تین چوتھائی پختہ رائین بالکل غائب! پھر فریق
مخالف نے ڈنڈا ہاتھ مین لیکر رائے دہندگان کی دہلیز کی مٹی لے ڈالی تھی! ایسی
حالت مین ہندوستان جیسے جاہل ملک مین کامیابی ہونی معلوم، اور فقط صرف
ایکسو چالیس رائین قبضہ سے نکل جانی کچھ بھی تعجب خیز نہین! مگر اس فضول
سی بات سے مسٹر مارسین کے لائق، تعلیم یافتہ، سویلائزڈ، وغیرہ وغیرہ ہونے مین
کیا فرق آسکتا ہے؟

पुस्तकालय

صورت کے لحاظ سے بھی مسٹر مارسین کچھ بُرے نہین : رنگ کو یورپ کے
گورے چِٹّے والے کالا کہین، لیکن سچ یہ ہے کہ مسٹر مارسین اور انکے احباب
اسکے ماننے کے لیے تیار نہین تھے ! نقشہ موزون اور اچھا ہونے مین کسی کو بھی
شبہ نہین ہوسکتا ! ہان ! عمر کا سوال کسیقدر ٹیڑھا ضرور ہے کیونکہ انٹرنس کے
سرٹیفکٹ کے حساب سے عمر کچھ زائد ثابت ہوتی تھی، مگر سچ پوچھیے تو آجکل عمر کا
صحیح اندازہ بھی ایک نہایت مشکل کام ہے ! ڈاڑھی اور مونچھین تو ایک عرصہ
سے فیشن کے تخت پر جلوہ افروز ہونے کے ناقابل سمجھی جانے لگی ہین - یا پالیٹکس
کی زبان مین یون سمجھیے کہ - وہ اسقدر ناموزون اور کمزور ہوگئی ہین کہ اپنی
ہستی خود قائم نہین رکھ سکتین اور بیچارہ کروپ ریزر جو محض اصلاح خط
کے لیے - عیوب اور فضولیات دور کرنے کے لیے - انکی بارگاہ مین حاضر ہوا
تھا، اب مجبور ہے کہ اس خود بخود کمزور ہوجانے والی چیز کو بالکل اسی طرح صاف
کرتا ہے جس طرح یورپ ٹرکی کو ! مختصر یہ کہ ڈاڑھی مونچھین نئی روشنی نے اڑا دین
سر کے بالون کا رنگ سیکڑون قسم کے ہیر ڈائی نے مشتبہ کر دیا، اور دانت
امریکن ڈنٹسٹ کی وجہ سے مشکوک ہوگئے ! اب عمر کا اندازہ کیا جائے تو کیونکر ؟
مگر پھر بھی - ماننا پڑیگا - مسٹر مارسین بلاشبہ عمر کے لحاظ سے پچاس کے صحیح رخ پر
ہین ! ہاتھ پانون کے اچھے، آنکھ ناک سے درست، محنت سے بے پروا، روپے
سے مستغنی، پھر سب سے بڑھکر یہ مسٹر مارسین بیرسٹر ہی نہین ٹوپ ہیٹ سے لیکر پیٹنٹ لیدر شوز

تک صاحب: صاحب ہی نہیں، آزاد خیال: آزاد خیال ہی نہیں تمام دقیانوسی باتوں سے ایک دم متنفر! اب بتائیے کہ تمیز النساء کی اکلوتی لڑکی مس فاخرہ ایسی سونے کی چڑیا کو اپنی عالم آشوب اداؤں کے جال میں پھانس لے تو باعث فخر ہے یا نہیں؟

مس فاخرہ کے والدین نے اول دن سے ہی زمانہ کی ہوا دیکھ کر مس فاخرہ کو تعلیم و تربیت دلائی تھی! اس نے مشن گرلز اسکول سے باقاعدہ طور پر انٹرنس پاس کیا تھا، ٹینس میں پچھلے ہی سال کپ لے چکی تھی، گانے میں اپنی نظیر آپ ہی تھی، اور مختصر یہ کہ ڈانسنگ اور اسکیٹنگ کو چھوڑ کر پیانو، سنگنگ، بائیکنگ، وغیرہ وغیرہ، کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس میں وہ بند ہو! شادی کا اختیار اُسے ضرورت سے زیادہ ملا ہوا تھا! مگر پھر بھی وہ ایک حد تک عقلمند لڑکی تھی اور اپنی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے شادی کے روپے کے سوال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی! یہ ہی وجہ تھی کہ اُس نے اخبار...... میں شادی کے عنوان میں "ضرورت ہے ایک متمول بیرسٹر کو شادی کے لیے ایک تعلیم یافتہ لڑکی کی......" دیکھتے ہی اسکا کھوج نکالنا شروع کیا! اول تو خود اُسکی نظر روپے پر، پھر والدین کا سمجھانا، غرض خواہ مخواہ اُسے مسٹر مارلسین کی عمر کو نظر انداز کرنا پڑا! دو تین غلط انداز نظریں انٹروڈکشن کے لیے کافی تھیں، اور دو تین معنی خیز تبسم ربط ضبط بڑھانے کے لیے کافی سے بھی زیادہ! چند ہی ملاقاتوں میں مسٹر مارلسین کو پھانس

لینا چنداں تعجب خیز نہیں! اور پہچانتے ہی فوراً شادی کے لیے مجبور کر لینا بالکل نیچرل! مگر فاخرہ نے پھر بھی تھوڑا بہت احتیاط ہر بات میں ملحوظ رکھا۔ فلرٹیشن کے وقت بھی چولی کی آزادی سے ہمیشہ پہلو بچایا! نکاح کا دن بھی اپنی مختصر اور اصلاح شدہ مذہبیت اور مسٹر مارسین کی ترقی یافتہ مغربیت کو سموکر۔ گڈ فرائیڈے! مقرر کیا! اول تو خود طرفین کی منتخب کردہ اور رضامندی کی شادی، اُسپر ایسی متمول اور معزز جگہ! پھر اگر آج مس فاخرہ کے والدین لڑکی کو بخیر و خوبی رخصت کرنے کے بعد خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے تو تعجب ہی کیا ہے؟

(۲)

اخبار سے اب بھی فرصت نہیں؟ تیسرے پہر کا وقت حسب معمول کلب کی نذر ہوا! مغرب کے بعد کھانا کھا یا ہی تھا کہ دوستوں کی آمد شروع ہو گئی! اب خدا خدا کرکے فرصت ہوئی ہے تو اخبار ہاتھ سے نہیں چھوٹتا! آج رات کے نو بجے، اور اخبار بینی!! واقعی ہے بھی صحیح! شادی کی پہلی رات اور اخبار بینی!! ۳ بجے سہ پہر سے لے کر رات کے نو بجے تک جس شوق اور بے چینی کے ساتھ وقت گزرا، اسکو تو فاخرہ کا دل جانتا ہو گا یا جس کسی پر بیتی ہو گی اُس کا دل جانتا ہو گا! لیکن اسمیں شک نہیں کہ نو بجے کے بعد سے شوق اُلجھن سے بدلتا جا رہا تھا!

فاخرہ ایک خوبصورت صوفے پر خاموش بیٹھی تھی، اگرچہ ایک کتاب

اُسکے ہاتھ میں بھی تھی، لیکن اسکی نظریں دزدیدہ نظروں سے کتاب کے صفحہ کے بجائے
مارسین کے چہرے تک جاتیں اور خدا جانے کیا کچھ دریافت کرنے میں مشغول
تھیں! مارسین برابر والی کرسی پر نہایت انہماک کے ساتھ اخبار میں ہمہ تن
غرق تھا! ڈرائنگ روم نہایت شاندار خوبصورت اور آراستہ تھا
فرنیچر سے تموّل اور فارغ البالی ٹپکی پڑتی تھی، اور بجلی کی روشنی میں ایک
ایک چیز اپنی دلکش خوبی کا اثر دیکھنے والے پر ڈالنے کے لیے تیار نظر آتی تھی! مگر
فاخرہ؟ آہ! وہ ان سب چیزوں کی طرف سے غافل تھی، اعلےٰ درجہ کا فرنیچر
اُسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکتا تھا، ڈرائنگ روم کی شان و شوکت اُسکا
دھیان نہ بٹا سکتی تھی: اُسکو اس وقت ایک خیال تھا۔ صرف ایک!

فاخرہ کا لباس اُسکے نوخیز حُسن کے لیے سونے پر سہاگے کا کام کر رہا تھا
ہلکا اور نئی وضع کا ڈھیلا پائجامہ۔ جو اس وقت بے خیالی کے ساتھ رانوں پر
اکٹھا ہوکر خوبصورت اور سڈول پنڈلی پر سے کسی قدر اونچا اُٹھ گیا تھا!
چست اور اعلےٰ درجہ کی سلی ہوئی بلاؤز جو سینہ اور کمر کو نہایت صاف طور پر الگ
الگ کرکے دکھلا رہی تھی: مہین کریپ کا پیازی دوپٹہ۔ جو سر سے ڈھلک کر
گھونگھر والے بالوں کو بل کھانے اور لہرانے کی پوری اجازت دے چکا تھا! یہ
اُسکی اُٹھتی جوانی، اُسکا زاہد فریب حسن، اُسکی عالم آشوب ادائیں! یہ سب کچھ
اور پہلی رات! پہلی رات اور تنہائی تنہائی اور یہ؟ اور خدا جانے کیا! بس فاخرہ

ایک ہی فکر تھی۔صرف ایک!

اُس کو اپنے حسین ہونے کا پورا پورا علم تھا۔اور یہ علم اور بھی زیادہ ستا رہا تھا! وہ جانتی تھی کہ سوسائٹی کے نوّے فیصدی نظرباز محض اُسکی ایک نگاہ کے لیے اپنا اپنا دل ہتھیلی پر لئے رہتے تھے۔اور یہ جاننا اور بھی غضب ڈھا رہا تھا! وہ سمجھتی تھی کہ خواہ مخواہ کی شرم کو بالائے طاق رکھ کر وہ یک اشارۂ ابرو۔یا جنبدۂ زیرلب۔اچھے اچھوں کو متوالا بنا دیتی تھی۔اور یہ سمجھنا اور زیادہ اُسکے چٹکیاں لے رہا تھا! مگر اسوقت پہلی رات کو تخلیہ میں، مارسین کے روبرو، اُسے ایک ہی پریشانی تھی۔صرف ایک!

اُسکو یاد تھا کہ کوٹھی میں گھستے ہی مارسین نے اُسے اپنی آغوش میں صرف ایک دفعہ لیا تھا، مگر ساتھ ہی یہ بھی اچھی طرح یاد تھا کہ سینہ سے سینہ ملنے کے وقت جب کہ اُسکا سانس نہایت تیزی کے ساتھ آرہا تھا اُسے کچھ گرمی۔کچھ کشش۔مطلق محسوس نہیں ہوئی تھی! وہ ابھی بھولی نہیں تھی کہ اسی وقت مارسین کے ہونٹ اُسکے نازک لبوں سے صرف ایک دفعہ ملے تھے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہیں بھولی تھی کہ اس بوسۂ مشترک کے موقع پر کوئی خاص قوت مقناطیسی (نگیٹیو Negative) اور پازیٹیو (Positive) کے اتصال سے پیدا ہونے والی بجلی۔اُسے نام کو بھی نہیں معلوم ہوئی تھی! وہ سب کچھ جانتی تھی لیکن پھر انجان بننا چاہتی تھی! وہ سب کچھ سمجھتی تھی لیکن

پھر نا سمجھ بنا چاہتی تھی! اس تمام علم و فہم کی وجہ سے اسے ایک ہی الجھن
تھی۔ صرف ایک۔

آخر مارِیسَن اخبار کیوں نہیں چھوڑتا؟ فاخرہ کی دلی کیفیت کا اندازہ
کیوں نہیں کرتا؟ اُسکے بار بار پہلو بدلنے کو کیوں نہیں سمجھتا؟ اُسکے انگڑائیاں
لینے سے کیوں نہیں تاڑتا؟ وہ چاہتی تھی کہ مارِیسَن اُس سے کچھ کہے! وہ منتظر
تھی کہ مارِیسَن اُسکی مچلنے والی حسرتوں کا خیال کرے! وہ بیچین تھی کہ مارِیسَن
اُسکی طرف دیکھے، اُسکے پاس آئے، اُسکو چھیڑے، اسکو گدگدائے، اور
اُسکے ساتھ نہایت ...... سچ تو یہ ہے کہ اس غضب کی تنہائی میں اُسے
ایک ہی کشمکش تھی۔ صرف ایک!

ٹن، ٹن، ٹن، ...... کارنس پر رکھی ہوئی ٹائم پیس نے دس بجانے
شروع کیے! آواز کے ساتھ ہی فاخرہ کی نظریں خود بخود اُسکی طرف اُٹھ گئیں!
خوشنما اور بیش قیمت ٹائم پیس پر کیوپڈ۔ خدائے عشق۔ اپنے تیروں کا ترکش
پس پشت رکھے، ایک ہاتھ کندھے پر کمان ڈالے، دونوں پانوں لٹکائے
خدا جانے کس انتظار میں بُت بنا بیٹھا تھا! اس خاموشی، اس سکوت، اس
سناٹے میں وہ بھی غالباً مبہوت تھا، اپنے تیر و کمان کو اور اسکے برمحل
استعمال کو قطعی بھول گیا تھا! کیا اچھا ہو کہ اسکا ایک بیچین کر دینے والا تیر
مارِیسَن کے دل میں تراز و ہو کر اُسے وقت کی قدر بتا دے، آج کا کام آج ہی

کرنا سکھا دے، اور کچھ بھی نہین تو صرف ہوشیار ہی کرے!! ...... ٹن ٹن ٹن
اٹائم پیس اپنے یکسان وقفے کے ساتھ دس بجا چکی تھی اور اب اوسکی آخری
آواز کی جھنکار کمرے مین گونج کر رفتہ رفتہ غائب ہوتی جاتی تھی! مارسین
نے اخبار ہاتھ سے رکھا اور فاخرہ کی نظرین اُسکے چہرے سے ہٹ کر بے تحاشا
کتاب کی طرف دوڑین، مارسین اپنی کرسی پر سے کھڑا ہوا اور فاخرہ کا دل فوراً
نہایت سرعت کے ساتھ دھڑکنے لگا! مگر افسوس وہ فاخرہ کے پاس آنے کے
بجائے میز کے پاس گیا، اور گھنٹی بجانے لگا! کچھ زیادہ دیر نہین ہوئی تھی کہ ایک
خادمہ اندر آئی اور حکم سننے کے انتظار مین کھڑی ہوگئی! مارسین نے ایک
بھونڈے تبسم کے ساتھ۔ غالباً زبردستی پیدا کیے ہوے تبسم کے ساتھ خادمہ
سے کہا "دیکھو! مسنز مارسین کو انکے بڈروم مین لیجاؤ اور بہ تکلیف وہ
لباس اُتار کر رات کے کپڑے پہناؤ!"
آخر بڈروم مین جانے کا وقت آگیا! رات کا لباس پہننے کا موقع
آپہونچا! یہ تو آپ خود اندازہ کیجیے کہ ان الفاظ نے فاخرہ کے کان تک پہونچکر
اُسکے دل و دماغ پر کیا اثر کیا ہوگا؟ البتہ یہ ہم ضرور کہین گے کہ وہ اُٹھتے
وقت جھجک جھجک کر اُٹھی، چلتے وقت رُک رُک کر چلی! اور خادمہ کے ساتھ
بڈروم مین جاتے ہوے اُسے کچھ پسینہ سا آگیا! اسکے جاتے ہی مارسین نے
گھنٹی سے ملازم کو بلایا اور "جاے" کے لیے حکم دیا! اب پھر وہ اپنی پہلی

کرسی پر جا بیٹھا جا بیٹھا اور اخبار بینی میں ڈوب گیا!

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖
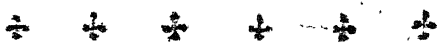
فاخرہ کو کپڑے اُتار کر رات کا لباس پہنے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی، اُسکو مسہری پر لیٹے ہوئے گھنٹے گذر چکے تھے! معمولی سی آہٹ پر اُسکا دل دھڑکنے لگتا تھا، ذرا سے کھٹکے پر وہ آنکھیں بند کر کے سوتی بنجاتی تھی! کبھی مرتبہ اسکے تمام بدن میں غیر معمولی کیفیت پیدا ہوئی اور جاتی رہی، کبھی مرتبہ پسینہ اُسکے چہرے اور پیشانی پر ظاہر ہوا اور غائب ہو گیا، اور کبھی مرتبہ وہ عین انتظار میں اپنی قوت متخیلہ کے دھوکوں میں آکر پوری تکلیف اُٹھانے کے بعد آپے میں آگئی!!

ہمیشہ کی آنے جانے والی نیند نے بھی اس سخت روح فرسا کش مکش کے موقع پر ساتھ چھوڑ دیا تھا، اُس نے آنکھیں بند کر کے سونا چاہا، اُس نے دماغ سے پریشان حالات کو نکالنا چاہا، اُس نے کروٹیں بدل بدل کر غافل ہونا چاہا! مگر خدا جانے کیا چیز تھی جو برابر چٹکیاں لے رہی تھی؟ کیا خیال تھا جو نکالے نہیں نکلتا تھا؟ اور کیا بے چینی تھی جو کسی طرح دور نہیں ہوتی تھی؟

آہ دنیا! اور دنیا کی نت نئی خواہشات! خواہشات! اور خواہشات بھی نفسانی؟ اور نفسانی بھی عالم شباب میں؟ عالم شباب! اور عالم شباب میں شادی کی پہلی رات؟ یہ سے دو سر الہ! برق اور برق صبر سوز! افسنہ

اور فتنۂ قیامت!!!

بڑھ! اے انتظار کے کاٹے نہ کٹنے والے وقت۔ قسم ہے تجھکو عمر خضر کی!

بڑھ! چڑھ! اے اُٹھتی جوانی کے ارمانون کے دریاے بے پایان۔ قسم ہے تجھکو طوفان نوح کی۔ چڑھ! چڑھ! اور ڈبو دے: تمام مصنوعی شرم کو، تمام دقیانوسی عقائد کو، تمام لغو مفروضات کو، تمام خلاف فطرت بندش و قیود کو، ڈبو دے! غرق کر دے!! فنا کر دے!!!

اُسکا سر چکرانے لگا! آنکھین پتھرا سی گئین؛ ناقابل برداشت گرمی محسوس ہوئی، سانس اُلجھا، دم الٹا، دل گھبرایا اور وہ فوراً اُٹھ بیٹھی! اُٹھ بیٹھی اور کھڑی ہوگئی! مسہری کے برابر ہی کپڑون کی الماری کھڑی تھی، جسکے سامنے کے رخ پر قدآدم آئینہ لگا تھا؛ اور اُس آئینہ مین بجلی کی روشنی مین۔ فاخرہ کا عکس سر سے پیر تک بالکل صاف نظر آرہا تھا! کھڑے ہوتے ہی خود بخود فاخرہ کی نظر آئینہ پر جا پڑی۔ نہین نہین۔ آئینہ کے دل تڑپا دینے والے عکس نے اور کسی کو نہ پاکر اسی کو زبردستی اپنی طرف متوجہ کر لیا!

وہ انتظار اور نیند کے خمار مین ڈوبی ہوئی بادامی وضع کی سیاہ آنکھین پردہ نشین اچھوتی متوالیان! وہ کالے بھونرالے خمدار پیوستہ ابرو۔ آسمان حسن کے ماتمی لباس والے ہلال! وہ چکنے گداز اور سرخ رخسار۔ فرشتہ چشم و لب کے معبود! وہ گھن دار اور بل کھانے والے گیسو۔ شب ہجر کی سیاہی اور

روز محشر کی درازی کے لخت جگر! وہ لمبی اور صراحی دار گردن، پھر اس ستم غضب رات کا لباس: نیچے گریبان اور بلا آستینوں والا کامبی نیشن combination! بھرے بھرے مونڈھے اور گورے گورے بازو! گردن کے نیچے سے گریبان کی حد تک ایک عجیب تناسب کے ساتھ اُبھرنے والا سرخ و سفید جسم، سینے سے کمر تک دونوں جانب سے غضب کا اُتار! غرض قدرت کے فیاض ہاتھوں سے بخشے ہوئے عطیات کا ہیجان انگیز نشیب فراز کے پورا پورا اظہار! اف! غضب! آفت! قیامت!!!

سوچیے ضرور سوچیے! دیکھنے والے کا کیا حال ہوا ہوگا؟ نظریں کہاں کہاں لوٹی ہونگی؟ آنکھیں کہاں کہاں جم گئی ہونگی؟ دل کس کس جگہ مچل گیا ہوگا؟ سوچیے پھر سوچیے: دیکھنے والا تعلیم یافتہ ہے، روشن خیال ہے، سوسائٹی سے واقف ہی نہیں بلکہ ہیرو ہے! اُسکو دنیا مین آنکھیں کھولے ہوے سترہ برس گذرے ہین! اُسکی شادی کی پہلی رات ہے، وہ ارمانون کی کش مکش سے گھبرا رہا ہے، وہ انتظار کی کُند چھُری سے اتنی دیر تک ذبح کیا گیا ہے کہ رات کے تین بج چکے ہین، اور اب وہ ایک آئینہ کے سامنے سر سے پیر تک اپنے حسن عالم سوز کو بغیر کسی حجاب یا پردے کے اچھی طرح دیکھ رہا ہے! بتائیے، قسم ہے آپ کو تمام مغربی تہذیب، تعلیم، اور بالخصوص مورلیٹی morality کی ضرور بتائیے اُس نے کیا کیا دیکھا ہوگا؟ کیونکر دیکھا ہوگا؟ اور کیا کچھ سوچا ہوگا؟!

جس طرح غریب فرہاد خدا جانے کیسی کیسی جانگداز تکلیف کے بعد جوئے شیر لا یا بھی اور ناکامیاب رہا، اُسی طرح بیچاری فاخرہ فی الحال برائے نام مسنر مارسین سخت وقت کے ساتھ شام سے صبح کر سکی اور پھر بھی وہی ایک فکر، پریشانی، اُلجھن، کش مکش اب بھی تھی۔ پہلے سے زیادہ تھی !!

(۱۲)

رات نے دن کا، اور دن نے رات کا لباس پہنا؛ ہفتہ نے مہینے کا اور مہینے نے موسم کا روپ بھرا، جاڑے نے گرمی کا اور گرمی نے برسات کا بھیس بدلا؛ آفتاب تین سو پینسٹھ دفعہ زمین کے بلاگردان ہوا یا زمین نے چکراتے ہوئے ایک مرتبہ آفتاب کا پورا طواف کیا؛ گھنگھور گھٹائیں اُٹھیں اور برس گئیں ! زور و شور کی آندھیاں آئیں اور اُتر گئیں ؛ دل تڑپا دینے والی بجلیاں چمکیں اور تھم گئیں ؛ منھ بند کلیاں کھلیں اور کھلا گئیں سب کچھ ہوا اور رہا؛ لیکن آہ ! فاخرہ کی تقدیر نہ پلٹنی تھی نہ پلٹی ! وہ شادی کے ایک سال بعد بھی ویسی ہی تھی جیسی ایک سال پہلے !!

آرام کی جگہ آرام اور روپیہ کی جگہ روپیہ، مارسین کا پیٹھ پیچھا ہے اُس نے فاخرہ کے خوش رکھنے کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا ! اعلےٰ سے اعلےٰ کھانا، عمدہ سے عمدہ لباس ! نوکر چاکر، جوڑی گاڑی : خدا کا دیا سب ہی کچھ تھا ! روزانہ دونوں وقت ہواخوری، رات کا وقت گذارنے کے لیے پیانو

موجود! سال مین چھ مہینے پہاڑ پر، تیرے دن کے لیے بمبئی یا کلکتہ! پھر سب پر طرہ خودمختاری، آنے جانے ملنے جلنے کی پوری آزادی! کوئی بات ایسی نہ تھی جسکی شکایت فاخرہ کسی کے سامنے کر سکتی، مگر پھر وہ روز بروز مضمحل ہوتی جاتی تھی، پژمردہ ہوتی جاتی تھی اندر ہی اندر گھلتی جاتی تھی!!

صبر اور شکر؟ مگر صبر اور شکر کی وہ عادی نہ تھی! تقدیر کا لکھا؟ مگر تقدیر کو وہ محض مہمل حیلہ سمجھتی تھی! بندہ عاجز مجبور؟ مگر وہ اپنے آپ کو اپنے کام مین کسی کا مجبور نہین مانتی تھی! ماں باپ کی لاج؟ مگر اس لاج کے لیے وہ مرجانے کو کسی طرح تیار نہین تھی! اُس نے سوچا اور سوچا، غور کیا اور کیا، لیکن جہانتک اُسکی عقل کام کر سکتی تھی اُسکو اس انتخاب مین دھوکا ہوا۔ بلکہ دیا گیا! پورے غور و خوض کے بعد اُسے اپنی غلطی صرف اسقدر نظر آتی تھی کہ اُسے انتخاب سے پہلے ہر طرح اپنا اطمینان کر لینا چاہیے تھا، پوری آزاد خیالی کے ساتھ جانچ لینا چاہیے تھا، اور فلرٹیشن کے وقت ہر دقیانوسی خیال کو اپنے دماغ سے قطعی نکال دینا چاہیے تھا، عصمت و عفت کا خیال ہی وہ چیز تھا جس نے آج اُسے زندہ درگور کر دیا تھا، اور اب اُسکا اس بیہودہ خیال کے نام پر بھینٹ چڑھا لینا بالکل حق بجانب تھا! اسقدر تعلیم، ترقی اور آزادی کے بعد بھی عصمت کا پوچ خیال اُسکی نظر مین موجودہ سوسائٹی کا مہلک نقص نظر آتا تھا! اب بھی اُسے طبقۂ نسوان جاہل اور لغو قیود۔ ناقابل برداشت قیود مین جکڑا نظر آتا تھا!

کہنے والے مارسین کو برا کہیں اور ا... تو مجرم سمجھا نہ غرض جو چاہیں بتائیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ مارسین نے کیا مقتضائے بشریت تھا! موجودہ فلاسفی بتاتی ہے کہ انسان خود غرض ہے اور زندگی ایک سخت مجادلہ ہے! اپنی ہستی کے قیام کے لیے ایک درخت کتنے آس پاس کے پودوں کو چوس جاتا ہے اور ایک جان دار کس قدر جانداروں کو ہضم کر جاتا ہے؟ محض قوت شامہ کو تسلی دینے کے لیے محض اپنی ہوس بجھانے کے لیے کس قدر پھول عین بہار کے عالم میں توڑ لیے جاتے ہیں، مسل ڈالے جاتے ہیں روند ڈالے جاتے ہیں؟ انسان ضرورت و بلا ضرورت - اپنی حتے الوسع ہر عمدہ اور خوشنما چیز کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا ہے! وہ اپنے فائدے اپنے آرام اور اپنی مسرت کے خیال پر کسی دوسرے کے خیال کو کبھی ہرگز ترجیح نہیں دے سکتا! محبت کیا ہے؟ خود غرضی! دوستی کیا ہے؟ خود غرضی! عبادت کیا ہے؟ خود غرضی! بلکہ سچ تو یہ ہے زندگی کیا ہے؟ خود غرضی! خود غرضی! خود غرضی! آہ! انسان از سر تا پا خود غرضی ہے! اور آخر مارسین بھی انسان ہی تھا

مارسین نے اگر اپنا نقص چھپایا اور دھوکا دیا تو محض اپنا دل خوش کرنے کے لیے - بالفاظ دیگر وہی خود غرضی! فاخرہ نے اگر اُسے منظور کر لیا اور دھوکے میں آگئی تو محض روپے کے خیال سے یعنے وہی خود غرضی! مارسین کو زیادہ مورد الزام بنانے کی کوئی وجہ ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں! خیر سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟ ہاں! ہاں! آپ کے انتخاب میں اگر یہ نقص نکلتا تو طبقۂ نسوان کا حامی گروہ جوش آزادی میں خدا جانے ان باپ کو کیا کیا کچھ کہہ گذرتا

لیکن یہان تو مس فاخرہ نے خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنے پیر مین کلہاڑی ماری تھی! اب اسکو فقط چانس کہکر ٹالدیاجاتا ہے! البتہ اگر ماں باپ کے انتخاب مین ایسا ہی چانس واقع ہوتا تو ظلم، جبر، اور اندھے کنوئین مین دھکا دیدینے سے تعبیر کیا جاتا! ایک ہی بات اور ایک ہی چیز کا نام ضرورت کے لحاظ سے پلٹ ہی جایا کرتا ہے!!

فاخرہ نے اکثر دقیانوسی خیال والی عورتون کو بُرے شوہرون کو بھرتے سنا تھا، صبر کے ساتھ سخت تکالیف برداشت کرتے دیکھا تھا: لیکن وہ کہتی تھی۔ اور غالباً سچ کہتی تھی کہ اُن عورتون کو اول سے ہی قناعت کا عادی بنایا گیا تھا تقدیر پر شاکر ہونا انکی رگ و پے مین سرایت کر گیا تھا، اور شرافت آبائی و عصمت کا خیال بچپن سے ہی ان مین پھونکا گیا تھا! ایسی حالت مین جو کچھ پڑے اُسے مستقل مزاجی کے ساتھ جھیلنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا! البتہ نئی تعلیم دی جائے، مذہب کی وقعت بالکل نکالدی جائے، خودسری، خودرائی، خودپسندی اور مساوات کی روح پھونکی جائے اور امید یہ رکھی جائے کہ ایسی نئی ترقی یافتہ بھی مصیبت کو اسی طرح برداشت کرے گی جس طرح ایک دقیانوسی تعلیم والی قطعی عقل کے خلاف ہے! واقعی فاخرہ کا یہ مقولہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے کہ یہ اس ادھوری آزادی سے پُرانے خیالات کی

پابندی بہتر ہے" کیونکہ پابندی کی حالت مین ہوش سنبھالنے سے آزادی کا خیال تو دماغ مین آکر زندگی دشوار نہین کرے گا! ایسی آزادی پر تین حرف کہ خواہ مخواہ ایک مفروضہ عصمت کے خیال سے نوجوان لڑکیون کو گندم نما و جوفروش، مردون کا شکار دیا جائے اور زندہ درگور رہ جانے کا احتمال باقی رکھا جائے! وہ سوچتی تھی اور سوچتی تھی کہتی تھی اور یہی کہتی تھی کہ "آہ! کیا اچھا ہو کہ مظلوم طبقہ نسوان کو پوری آزادی نصیب ہو جائے" سوسائٹی مین دغا اور فریب کی گنجائش نہ رہے" اور پرانے جہالت آمیز خیالات انسان کے دماغ سے بالکل دور ہو جائین"!!

یہ بتانے کی چندان ضرورت نہین کہ فاخرہ کا انجام کیا ہوا؟ اُسکی زندگی کہان کٹی، کیونکر کٹی، اور کیسی کیسی بدنامی اور مصیبت سے اُسکو سامنا کرنا پڑا؟ ہان یہ ہم بغیر کہے نہین رہ سکتے کہ نئی روشنی، نئی ترقی، نئی آزادی سب ہی کچھ موجود تھی، لیکن "پھر بھی عمر قید"!!

عمر قید سے کس طرح رہائی

اور

نتیجہ

الناظر یکم اگست ۱۹۱۳ء

واقعہ نگار اولین نے "الناظر نمبر ۴ ہ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۳ء"
مین مس فاخرہ کو مسز مارسین بنا کر چھوڑ دیا تھا جسکی وجہ صرف یہ تھی کہ
مس فاخرہ سے اعلیٰ درجہ تعلیم یافتہ ہونے کے لحاظ سے کم از کم اسقدر
امید کی جاتی تھی کہ وہ سوسائٹی کے زبان زد ہونے کی وجہ سے عمر قید کو
کسی نہ کسی طرح بھگتے گی۔ آج ترقی یافتہ دنیا مین کس قدر مائین ایسی ہین جو محض
اپنی اولاد کے خاطر ناقابل بیان کا وشین اٹھاتی ہین اور کس قدر بیبیان
ایسی ہین جو گندم نما جو فروش نوجوانون کی شکار ہو جاتی ہین اور محض
Table talk
سوسائٹی مین زبان زد ہونے کے خوف سے
ٹیبل ٹاک بننے کے ڈر سے۔ اُف نہین کرتین۔ دم نہین مارتین۔ اسکا جواب
بیشمار موجودہ سوشل ناولون سے مل سکتا ہے یا خود لندن مین جا کر رہنے
سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر یہ مصیبت جھیلنے والی اندر ہی اندر سلگنے والی
وہ ہوتی ہین جنکو اپنی عزت کا لحاظ ہوتا ہے اپنے پوزیشن کا خیال ہوتا ہے

Laughen "تمسخر" ہدف "سوسائیٹی کا" ۔ سوسائیٹی کا لاج رکھنا نہین۔
اور جو مان باپ کی لاج رکھنا نہین۔ سوسائیٹی کا "ہدف تمسخر" Laughen
Laughing-stock بنا سخت ذلت جانتی ہین! اس فاخرہ کو بھی کم از کم اسقدر
شریف الطبع ضرور سمجھا جاتا تھا۔ مگر آپ جانتے ہین "خدا پنج انگشت
یکسان نہ کرد" وہ ضرورت سے زیادہ آزاد نکلین۔ آزاد یورپ کے
طبقہ اعلےٰ و متوسط مین اس خیال کی ضرور ہوتی ہین مگر بہت کم اور
خصوصًا ہمیشہ انگشت نمائی کا مرجع! گویا اس فاخرہ آزاد و ترقی یافتہ
دنیا کے موجودہ عملدرآمد کے لحاظ سے اُن چند نفوس مین سے تھین، جنکو
سوشل سرکل کی بھی پروا نہین۔ چنانچہ جو کچھ انھون نے کیا کوئی ایسی بات
نہ تھی جو پرانے خیالات مین بھی ہوتی نہ رہی ہو۔ پابند دنیا کی عورتین شکار
ہوکر یا تو محض شرافت آبائی کے مارے زندہ درگور ہوجاتی ہین یا۔ بہت
کم۔ ایسی بھی ہوتی ہین جو کسی نہ کسی طرح۔ باہمی رنجش، نان و نفقہ کی طلب یا
مار پیٹ کی شکایت غرض کسی نہ کسی رنگ مین عدالت کا دروازہ
کھٹکھٹاتی ہین اور آخر کار بہ ہزار بدنامی پیچھا چھٹانے مین کامیاب
ہوجاتی ہین۔ ایسی وہ ہوتی ہین جنکو پابند دنیا اچھی نظرون سے نہین دیکھتی
اور سچ پوچھیے تو آزاد دنیا کی اعلے طبقہ کی نگاہین بھی اُن سے بچتی ہین!!
شریف الطبع عورتون کے لیے دراصل عمر قید سے چھٹکارا جیتے جی تو قریب
قریب ناممکن کے ہے۔ پابند دنیا مین ہمیشہ سے اور آزاد دنیا مین کم از کم

ابتک - ایک مین مان باپ کی لاج عزت خاندانی کا پاس: اور دوسری مین انگشت نمائی کا خوف، سوسائیٹی کے تمسخر کا اندیشہ: کند چھری بنکر ذبح کرنے کے لیے تیار ہے۔

مگر مس فاخرہ شریف الطبع مشکل سے سمجھی جا سکتی ہے، وہ اُن مین سے نکلی جو کُتے کے کاٹنے پر انتقام کے جوش مین خود بھی اُسکو کاٹنا چاہتے ہین چنانچہ خلاف امید اُس نے جو کچھ کیا وہ آپ نے "الناظر نمبر ۴ بابت ماہ جون (صفحہ ۱۲)" مین پڑھ لیا ہوگا۔ نقاد دوم نے مسٹر مارسین کو مسز رضا کا لباس نہایت خوبی کے ساتھ پہنا دیا لیکن کچھ واقعات عجلت مین نظر انداز ہو گئے جنکا ناظرین الناظر تک نہ پہنچنا سخت ناانصافی ہوگی - اس لیے مجبور ہونا پڑا کہ رہے سہے واقعات کو بھی پبلک کے سامنے لایا جاے اور مس فاخرہ کو انتہا تک پہنچایا جائے!

(۷)

(آغاز کے لیے الناظر ماہ اپریل اور سلسلہ کے لیے الناظر ماہ جون ۱۳ء ملاحظہ ہو)

مس فاخرہ خود مارسین کے منھ پر کہہ چکی تھی کہ "ذلت و اہانت کے لفظ ہرگز فراموش نہین کیے جا سکتے ... مین ضرور اسکا انتقام لونگی" اور واقعی اُس نے لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ اختر کے بھائی نے اُسے "ایک دوسری نظر سے دیکھا" وہ اُس پیاری سی ترکیب کی "مداح تھی۔ وہ اس "لطیف پیرایہ مین اپنے مافی الضمیر سے مطلع کرنے کی" دل ہی دل مین داد دیتی تھی، اور؟ اور اُس دوسری نظر کا

اُس پیاری ترکیب' اور اُس لطیف پیرایہ نے "وہ بالکل خلاف توقع اُسے عالم آرزو مین داخل کر دیا" جاننے والے جانتے ہین کہ اُسکی طبیعت کس چیز کی متلاشی تھی اُسکا دل کس مقصد کا خواہان' اور اُسکی نظر کس "دوسری نظر" کی جویا تھی۔ اب یہ دوسری نظر مسٹر رضا کے گوشہ چشم مین اُسے خدا خدا کر کے مل گئی تھی۔ کوئی کوئی وجہ نہ تھی کہ اب بھی وہ راضی بہ رضا نہو تی! اس مزہ دار تصور مین' اس دلچسپ انہماک امید مین' قطعی نیچرل تھا کہ "اسکے ہونٹون پر گم شدہ تبسم کے آثار پیدا ہو گئے" اُس نے ایک کھوئی ہوئی چیز پالی!

اس سے کچھ بحث نہین کہ مسٹر مارسین کے پھندے مین پھنستے وقت تمول کی نظر خیرہ کر دینے والی چمک نے اُسے اس جال مین پھنسایا تھا۔ اس سے بھی کچھ غرض نہین کہ وہ پھنستے وقت قطعی خود مختار اور آزاد تھی' اس سے بھی کچھ مطلب نہین کہ مارسین نے خود اسکو اپنا نشانۂ دغا بنانا نہین چاہا تھا بلکہ ایک عام اعلان اخبار مین دیکھکر وہ خود اپنی نظر سے اپنی اداسے' اپنی خواہش فریبی سے مارسین کو شکار کرنے کے لیے تیار ہوئی تھی! اپنا عیب اپنی نظر کو مشکل سے معلوم ہو سکتا ہے اس لیے مس فاخرہ اگر اس بات کی مدعی تھی کہ اس کے ساتھ دغا کی گئی تو کون سا گناہ تھا؟

انڈین پینل کوڈ وہ محض "مشغلہ تنہائی کے طور پر" اکثر دیکھا کرتی تھی۔ اور بھول جاتی تھی! مگر دفعہ ۴۱۵ تعزیرات ہند جب اُسکی نظر سے گذری تو تھوڑی

یر کے لیے سطروں پر دوڑنے سے رکی اور ایک خیال۔ خیال کیا؟ شمہ خیال۔
بہت خفیف۔ یوں ہی ذرہ برابر۔ برائے نام" ضرور پیدا ہوا اور مس فاخرہ نے دوبارہ
س دفعہ کو نہایت سمجھ سمجھکر ایک ایک لفظ کو غور کے ساتھ مارک کرتے ہوئے
پھر پڑھا۔ اب ایک عجیب انبساط۔ خلاف توقع امید۔ اسکے دل و دماغ میں جلوہ
ن بھی "مرجھایا ہوا چہرہ مائل بہ شگفتگی ہوگیا" دفعہ ۱۵ ۴ تعزیرات ہند کی
بارت نے "غور سے پڑھنے والی نظروں کے ذریعہ سے دماغ کو ایک مسرت
گین مفہوم سے مطلع کیا" اور اسنے پٹھوں کے توسل سے قلب میں ایک انبساطی
لت پیدا کردی"۔ اب کیا تھا دیکھی رپورٹر وغیرہ وغیرہ کوئی چیز۔ کوئی موٹی کتاب
بھی نہ تھی جسمیں آسانی کے ساتھ وہ غوطہ زن نہ ہو سکتی ہو اور ہر ایک میں دُر
مقصود اُسے نہ مل جاتا ہو۔ اسکے بعد سے "کبھی کبھی۔ وہ بھی عالم تنہائی میں سوسائٹی
سے علحدگی کے وقت بستر پر لیٹتے ہوئے۔ اتفاقاً نیند اُچٹ جانے کی حالت میں"
پنے سب کچھ کر سکنے کا احساس اُسے۔ عام اس سے کہ وہ سکنڈ کے ساٹھویں
حصہ سے بھی کم عرصہ کے لیے رہتا ہو" یا رات رات بھر کاٹے کھانے والے بستر پر
دوسری نظر" کی تلاش میں کسی کروٹ چین نہ آنے دیتا ہو۔ ہو تا ضرور تھا۔ "وہ
میں کبھی اس قابل ہو جاؤں گی کہ اس بے حمیت کو مزہ چکھا سکوں؟ مگر ایک
ارے کی ضرورت ہے۔ ایک .... کی تلاش! لیکن۔ لیکن کیا میری نظریں میری
چین میری زاہد فریبی۔ سب میں سے اٹھ جاتا رہا۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ ایک نظر میں

ختم ہو جانے والے مرد۔ یہ ایک آدھ پر مر مٹنے والے نوجوان! اونہہ یہ کون سی مشکل بات ہے "

واقعی یہ مشکل ہی کیا تھی؟ مسٹر رضا جس حمیت و ہمدردی کے لیے تیار ہوے وہ اُسی غلط انداز نظر کا نتیجہ نہین تھا تو اور کیا تھا؟ یہ دقیانوسی خیالات والے حضرات اب بھی فرماتے ہین کہ اگر مس فاخرہ خود بخود مسٹر مارسین کو دغا بازی کی سزا دیتی تو بیشک یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ اُس نے بلا کسی خاص لگاؤ کے اس سے پیچھا چھڑا لیا۔ مگر پہلے مسٹر رضا کے ارادہ سے آگاہ ہونا پھر ذرا سا سہارا پاتے ہی زور شور آپ ہی سوچیے کہین بانی مرتا ہے یا نہین؟ آجکل بھی آنکھ لڑ جانے پر جاہل عورتین اپنے نئے آشنا کے ساتھ بھاگ جاتی ہین اور بعد مین کمینے اشخاص مین مقدمہ بازی اور لاٹھی پونگا سب ہی کچھ ہوا کرتا ہے کیا مس فاخرہ کا ایک مضبوط کھونٹے کے بل پر اسقدر کودنا اور مقدمہ مین یہ زور دکھانا اُسی پرانے رنگ کی نئی صورت نہین؟ ڈھانچ مین تو وہی پرانی تیلیاں ہین البتہ غلاف نیا اور انگریزی وضع کا ضرور ہے! مس فاخرہ کا۔ اور اُسکے سعاوتین کا۔ مقولہ ہے کہ "اُس نے کبھی حرف شکوہ بھی زبان سے نہین نکالا عمر دامانہ زندگی بسر کرنے مستعد ہو گئی اور مارسین کے ناموس کی حفاظت کرتی رہی"، مگر کب تک؟ صرف ایک سال۔ اور وہ بھی ایسا جسمین دفعہ ۴۱۵ تعزیرات ہند کا مطالعہ برابر جاری تھا! اور کس حالت مین؟ کس بیہر سی کے

عالم میں، کسی مددگار کے نہ ہونے کی حالت میں! یہ عصمت و ناموس کی حفاظت ہے یا "عصمت بی بی از بے چادری" کی مثال؟ اس آخری سوال کا جواب کسی قدر پیچیدہ ہے۔ دقیانوسی دماغ والے کچھ اور کہتے ہیں، اور روشن خیال کچھ اور فرماتے ہیں!

خیر کچھ بھی ہو مارسین پر دعوے کر دیا گیا؟ روپے پیسے کی تنگی کا دعویٰ نہ ثابت کیا جا سکتا تھا نہ اُس سے رہائی نصیب ہو سکتی تھی: برے برتاو کا الزام بھی پورے حد تک مفید نہیں تھا: اس لیے وہی سچا۔ دغا کا دعوی کیا گیا۔ اس دعوے کا جزو خاص مارسین کی ناقابلیت اور مس فاخرہ کا اسوقت تک غیر مستعمل ہونا تھا! اس خاص بات پر جو تنقیح نکلی اُسکا بار ثبوت ظاہر ہے کہ کس کے ذمہ ہوتا، مدعی کے یا مدعا علیہ کے؟ مس فاخرہ کی طرف سے مسٹر رضا بھی شہادت میں تھے۔ محض اس امر کی شہادت میں تھے کہ یہ راز ان تک انکی ہمشیر کی زبانی پہنچا! اور خود مس اختر معاملہ کے لیے طلب تھیں کہ وہ مس فاخرہ کی معالج رہ چکی تھیں! اساتھ ہی ساتھ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کی بھی ضرورت تھی؛ اور بڑی خیر یہ ہوئی کہ ایک لیڈی ڈاکٹر وہاں موجود تھیں اور بجائے سول سرجن کے انکو معائنہ کی اجازت دیدی گئی ورنہ کسی قدر، شمہ برابر برائے نام وقت ضرور ہوتی! اگرچہ اس وقت کو مس فاخرہ خود محسوس نہ کرتیں لیکن، دقت کو سوائے دقت کے اور کیا کہا جا سکتا! خیر سرٹیفکیٹ حاصل

ہوگیا! پیشی کے روز جسقدر عدالت متعلقہ پر ہجوم تھا اسکا لحاظ کرنا ایک فضول سی بات ہے! مسٹر رضا سے اُسی اخبار والی ”پیاری ترکیب“ پر کیونکہ فریق مخالف کی طرف سے وہ اخبار بھی پیش کیا گیا تھا۔ وکلاء کی جرح سننے کے قابل تھی! اگرچہ مہربان عدالت نے بہت سے سوالات غیر متعلقہ ٹھہرا کر روک دیے لیکن پھر بھی مسٹر رضا۔ مس اختر۔ اور مس فاخرہ کو جن جن سوالات کے جوابات دینے پڑے وہ واقعی قابل تعریف تھے! عدالت کا کمرہ بالکل بھرا ہوا تھا اور مشتاق نگاہیں اور بے چین کان خدا جانے کیا کیا سُن رہے تھے اور کیا کیا دیکھ رہے تھے! جرح ایک بری بلا ہے۔ اور خصوصًا ایسے معرکہ کے وقت۔ جن پر گزر چکی ہو اُن سے پوچھیے کہ وکیل و بیرسٹر اُس کٹھرے مین اچھے اچھون کو رولا دیتے ہین! بہرحال یہ سب باتین ایک فضول سی چیز تھین! دقیانوسی خیالات والے اسکو شرمناک واقعہ کہین یا اور کسی بُرے خطاب سے یاد کرین مگر سچ یہ ہے کہ مس فاخرہ نے مارسین کو سزا دیکر مانا۔ اسپر بحث کرنے کی ضرورت نہین کہ ایسی بدنامی اُٹھاکر ہر متنفس۔ پرانے خیال والا بھی سب کچھ کرسکتا ہے بشکل تو ایسی حالت مین شریف طبع اور پوزیشن کا لحاظ کرنے والے انسان کی پڑجاتی ہے مگر فاخرہ ”سوسائٹی اسکینڈل Society Scandle کو بھی کچھ نہین سمجھتی تھی! وہ ”خود کردہ را علاجے نیست“ کی قائل نہ تھی اور واقعی اُس نے جو کچھ کماکر دکھایا! مارسین نے زہر کھالیا تو قطعی

نیچرل! اور فاخرہ تیسرے ہی روز مسٹر رضا کے ساتھ نہایت شان دلربائی
کے ساتھ پارک میں ٹینس کھیلتی نظر آئیں تو قطعی تہذیب و انسانیت کے
موافق! جو کچھ بھی ہو ایک ہفتہ نہیں بلکہ ایک مہینے کے لیے ہفتہ وار اور روزانہ
اخبارات کو اپنے ناظرین کے خوش کرنے کا مواد مل گیا! مگر واہ ری فاخرہ
اس نے اس عرصہ کے لیے اخبار چھونا بھی اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اور اگر
کوئی بیہودہ، بدتمیز، کوئی۔ کچھ کہہ گزرتا تو وہ اسکو بھی سُنی ان سُنی کر کے ٹال
جاتی! وہ پھر اپنی خودغرضی میں کامیاب تھی اور ان دقیانوسی فضولیات
کو محض لغو سمجھتی تھی!!

(۸)

آج مرے کل دوسرا دن! چنانچہ مارسین مرگیا اور یاد سے بھی گزر گیا!
مس فاخرہ اب ایک دوسرا قدم۔ بلکہ آخری قدم۔ بڑھانا چاہتی تھیں! اب
وہ آزاد تھیں لیکن پھر پابند ہونا چاہتی تھیں! مارسین سے بہزار دقت پیچھا
چھوٹ گیا تھا مگر مسٹر رضا کی آغوش محبت میں جانا ابھی باقی تھا!

لیکن "فاخرہ خودمختار فاخرہ آزاد فاخرہ" اب سوچتی کیا تھی؟ آزادی
اُسے حاصل مسٹر رضا اُسکے لیے منتظر، خود وہ اسی خیال میں۔ دل خوش
کن خیال میں۔ مستغرق، پھر دیر کیوں تھی؟ پس و پیش کیوں تھا؟
محض اسلیے کہ "دودھ کا جلا چھاچھ پھونک کر پیتا ہے" عقلمند

ب دفعہ ٹھوکر کھاکر ہوشیار ہوجاتا ہے۔ فاخرہ اُسی غلطی کو پھر نہیں کرنا چاہتی تھی
جس کی بدولت اُسے کامل ایک سال سخت سے سخت عذاب بھگتنا پڑا!
مگر مسٹر رضا مسٹر مارسین تو نہیں ہے؟ لیکن اگر یہ بھی ویسا ہی صورت حرام
نکلے تو! اگر مسٹر رضا تو میرے ساتھ جس شوق و جذبہ میں ڈوبا ہوا ملتا ہے اُس
سے کچھ شبہ نہیں کیا جاسکتا؟ لیکن سچ یہ ہے کہ مسٹر مارسین بھی اپنے کورٹ
شپ کے زمانے میں اسی طرح ملتا تھا! مگر یہ ایک تعلیم یافتہ، مہذب روشن
خیال نوجوان ہے؟ لیکن کیا مارسین کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے میں کوئی
شک کیا جاسکتا ہے! مگر وہ ایک خودغرض، دغا دینے والا شخص تھا جس نے اپنی
ٹین سوسائٹی میں سرخرو بنانے کے لیے مجھے زندہ درگور کردیا تھا؟ لیکن اس کا
کیا ثبوت ہے کہ مسٹر رضا بھی ویسے ہی نہ ہوں! مارسین تو ایک مکار تھا جس نے
امور واقعی کا اخفا کرکے مجھے دھوکا دیا"؟ مگر بہت ممکن ہے کہ مسٹر رضا بھی امور
واقعی کا اخفا کرتے ہوں!" یہ تھے وہ خیالات جو مس فاخرہ کے دماغ میں ہر وقت
چکر کھاتے رہتے تھے!
خود مسٹر رضا سے جو کچھ گفتگو مسٹر مارسین کی بابت اکثر ہوئی تھی وہ اُسے
خوب یاد تھی! مسٹر رضا کا یہ کہنا کہ "ناقابلیت اور کمزوری کی وبا بے احتیاطی اور
غلط کاری کی وجہ سے نئے زمانہ کے نوجوانوں میں پُرانے زمانے والوں سے
بہت زیادہ پھیل رہی ہے" اُسکے دل پر کالنقش فی الحجر تھا! فاخرہ

سوچتی تھی کہ مسٹر رضا خود ایک لائق ڈاکٹر ہے وہ کوئی نقص اپنے میں نہیں باقی رکھ سکتا، مگر ساتھ ہی اُسے خود مسٹر رضا کے وہ الفاظ جو اُسے ایک موقع پر مارسین کے لئے کہے تھے یاد آجاتے تھے۔ کہ "ایسے امراض ایک حد پر پہنچ کر قطعی ناقابل علاج ہوجاتے ہیں اور مریض مجبور ہوتا ہے کہ تمام عمر انکو کسی نہ کسی طرح پوشیدہ رکھے" یہ الفاظ فاخرہ کو اور زیادہ بھڑکاتے تھے! بہت ممکن ہے کہ مسٹر رضا بھی چھپاتا ہو، دھوکا دیتا ہو۔ ناقابل ہونے کے سرٹیفکٹ کا خیال بھی اُسے آیا، مگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی کہ مسٹر مارسین نے مقدمہ کے وقت سول سرجن سے اپنے موافق نہایت اچھا سرٹیفکٹ حاصل کرلیا تھا؛ اس سے تو کچھ بحث نہیں کہ وہ سرٹیفکٹ زر کے زور سے حاصل کیا گیا تھا یا کسی اور طرح، بہر حال اب فاخرہ کی نگاہ میں ایسے سرٹیفکٹ کی کچھ وقعت نہ تھی!

مگر۔ آہ! کیا اب پھر وہ کسی خود غرض کی چاپلوسی میں آکر اپنی زندگی کو برباد کردے؟ کسی "گندم نما و جو فروش" کے پھسلاووں میں پھنس کر برباد ہوجائے؟ نہیں نہیں۔ اب وہ آنکھیں بند کرکے اندھے کنوئیں میں گرنے کو تیار نہ تھی! وہ کچھ کھو کر عقل حاصل کرچکی تھی! اور وہ "مار گزیدہ از ریسمان می ترسد" کے مصداق کسی بے بلا ذاتی واقفیت و ثبوت کے بھروسا کرنا حماقت سمجھتی تھی! اس تمام کشمکش کا نتیجہ بالکل صاف تھا! وہ مجبور تھی کہ ہر طرح اپنا

اطمینان کرلے اور سچ ہے کہ اُسنے پرے طور پر خوب اچھی طرح دیکھ بھال لیا، پرکھ لیا۔ بلکہ اگر کسی کو ناگوار نہو تو کسوٹی پر چڑھا لیا! اب کیا دیر تھی؟ تو نا شادی ہو گئی اور خدا خدا کرکے فاخرہ نے مسز مارلین کی تکلیف دہ جھول اُتار کر مسز رعنا کی پوشاک نہایت مسرت اور جذبہ دل کے ساتھ زیب تن کی! چونکہ وہ تعلیم یافتہ تھی اور اپنی جنس کے ساتھ اُسے خاص طور پر محبت تھی اس لیے اُس نے ایک سوسائٹی قائم کی جسمین باطنی اور اندرونی طور پر وہ کچھ ہی تلقین کرتی ہو لیکن ظاہر طور پر یہ ہی معلوم تھا کہ وہ شادی سے پہلے میڈیکل سرٹیفکٹ حاصل کرنے کی ترغیب دیتی تھی! چنانچہ آپ اسکو ایک پرچہ مین دیکھ چکے! یہ سوسائٹی زمانہ کی رفتار کے ساتھ بڑھتی رہی اور اب اثر چہار طرف پھیلاتی رہی!

تتمہ

نئی دنیا نہ کہین ٹھہری ہے نہ ٹھہرے گی: نئی روشنی کا انسان نہ کسی حد پر پہنچ کر رکا ہے نہ رکے گا! وہ سب سے پہلے ایک رقیق مادہ مین آ ما بر کی شکل مین ظاہر ہوئی۔ گردش مین اپنی پہلی جگہ سے شرارہ کی طرح علیحدہ ہو کچھ فاصلے پر قائم ہو کر خود چکر انے لگی۔ پھر اس سے ایک شرارہ نکل کر چاند بنا اور کیا۔ وہ ٹھنڈی ہوئی، اُسپر ہواؤں کے طوفان آئے، نا متناہی بارش کا سلسلہ جاری رہا، وہ سخت ہوئی۔ اسپر جھیلکا بنا۔ وہ یا پیدا ہوے۔ پہا

نظر آئے - درخت وجود مین آئے عجیب الخلقت مخلوق اسپر حاوی رہی - مگر وہ برابر
اپنا روپ بدلتی رہی - بدل رہی ہے - اور بدلتی رہے گی! یہ یعنی انسان پر و تو
پلازم کی ترقی یافتہ صورت پہلے ایک مادہ تھا - پھر اسمین احساس پیدا ہوا
پھر نمو شروع ہوئی - پھر حیوان بنا اور نئی نئی پوشاکین پہنتا ہوا - بندر کے تمام
مدارج طے کرکے انسانیت مین قدم زن ہوا ہے اور رہے گا! نہ اسکو قرار
نہ اسکو چین! یہ بندر سے انسان بننے والی مخلوق اب انسانیت کے مدارج
طے کر رہی ہے اور اسکے بعد کوئی نہین کہہ سکتا کہ ترقی کے زینہ مین کہان
تک پہنچے گی! بہت ممکن ہے کہ وہ بندر جو خوش قسمتی سے ابتک انسان نہین بنے
ہین ہنستے ہون اور حضرت انسان کی کشمکش کو دیکھکر انسانیت کے نام
سے کانون پر ہاتھ دھرتے ہون - مگر یہ ایک فیکٹ ہے اور اس سے انکار
خدا کے وجود کے انکار سے زیادہ ناقابل معافی گناہ اور حماقت ہے!

بابا آدم کی اولاد انسان تو ہمیشہ سے انسان ہی ہے - انسان کے
علاوہ کسی اور روپ مین نہ وہ کبھی جلوہ فگن ہوا ہے اور نہ آیندہ ہونے کی
امید رکھتا ہے! انسانیت کے دائرہ سے اُس نے نہ کبھی قدم باہر رکھا
نہ رکھے گا! اس لیے وہ ایک خاص حد پر پہونچ کر قانع ہو جاتا ہے - رک
جاتا ہے اور اپنے مذہب یا عقیدہ کو اپنی زندگی کے لیے بلکہ ہر ایک آنے والی
نسل کی زندگی کے لیے کافی مان لیتا ہے: اُسکا خاص خیالات سے تجاوز

نہ کرنا کچھ بھی تعجب نہین۔ مذہب اسکو مانع۔ خدا اسکو مانع۔ اُسکا دل خود اسکو
مانع، لہذا وہ اپنے عقیدہ کے موافق جائز حدود سے تجاوز کبھی کسی زمانہ مین
نہین کرسکتا! مگر پروٹو پلازم سے بندر اور بندر سے انسان بننے والا
بلکہ انسانیت سے گذر کر خدا جانے اور کیا کچھ بننے کے لیے تیار۔ انسان
نہ کہین ٹھہرا ہے، نہ ٹھہرنا چاہتا ہے، نہ ٹھہرے گا۔ ترقی ایک لامحدود چیز
ہے، اور زمانہ برابر بڑھے جانے والی شے! خیالات تبدیل ہونے والی چیز اور
تہذیب زمانہ کے موافق منقلب! لہذا نئی روشنی کے انسانون کے لیے کوئی روک نہیں!
یہ امید رکھنا کہ "بغیر کسی عقیدۂ مذہبی کے وہ خود بخود تہذیب کی حد سے
نہ گذرے گا" اسی قدر لغو ہے جسقدر کہ مہمل! کیونکہ وہی چیز جو آج خلاف تہذیب
اور بُری سمجھی جاتی ہے۔ وہی عادت جو آج معیوب اور بد تصور کی جاتی ہے
کل عین تہذیب، خوبی، اور نیکی سمجھی جائیگی! زمانے کی تاریخ اس امر پر شاہد
عادل ہے! اس لیے کچھ بھی تعجب نہین کہ فاخرہ کی بنیاد ڈالی ہوئی سوسائٹی
کا اثر زمانے کے ساتھ کہین سے کہین پہنچ گیا!

بیشک ایک پورا زمانہ ایسا گذرا جس مین فاخرہ کا ایجاد کردہ میڈیکل
سرٹیفکٹ برابر رائج رہا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک اور نئی چیز بھی
وجود مین آگئی۔ وہ یہ کہ اکثر متمول حضرات کے ہان اولاد نہ ہونے پر جس کی
وجہ ڈاکٹرون نے عورت کی نا قابلیت اور نقص بتایا۔ ایک سوسائٹی

مردون کی طرف سے بھی قائم ہوئی جس مین شادی سے پہلے عورت کے مڈیکل
سرٹیفکٹ حاصل کرنے پر زور دیا گیا۔ اب مڈیکل سرٹیفکٹ کی وبا عام طور پر
دونون طرف پھیل گئی مگر تمول اور روپیہ اُسوقت تک اپنا اثر نہین چھوڑسکتا
جب تک کہ انسان احتیاج کا بندہ ہے۔ زر کے لیے "گر بر سر فولا دنہی نرم شود"
اب بھی اُسی قدر صحیح تھا جس قدر کہ پرانے زمانے مین۔ بیسیون بلکہ سینکڑ ون
مرتبہ سرٹیفکٹ محض زر کے زور سے حاصل کیے گیے اور بعد مین وہی عمر قید
بھگتنی پڑی جسکے انسداد کے لیے یہ کچھ طومار باندھا گیا تھا۔ اس کا علاج
صرف یہ سمجھ مین آسکتا تھا کہ "انجمن حفاظت نسوان" نے ایک قدم اور آگے
بڑھایا، اور یہ پاس کیا کہ ہمجنس ہمجنس کے عیوب سچائی کے ساتھ ظاہر کرنا
نہین چاہتا اس لیے نوجوانون کے وہ سارٹیفکٹ قابل لحاظ سمجھے جائین
جو بجاے کسی مرد سول سرجن کے ایک لیڈی ڈاکٹر سے حاصل کیے گئے ہون
علیٰ ہذا مردون کی طرف سے اسکا برعکس پاس کیا گیا۔ یعنی یہ کہ عورتون
کے وہ سارٹیفکٹ قابل لحاظ سمجھے جائین جو کسی مرد ڈاکٹر سے حاصل کیے
گئے ہون۔ اس ساری جدت سے زر کا اثر اور احتیاج کی طرفداری تو
یک لخت زائل ہو نہ سکی البتہ اسقدر ضرور ہوا کہ ڈاکٹر ون کی گرم بازاری
شروع ہو گئی۔ موجودہ نسل نے ڈاکٹری کی سند حاصل کرنا ایک ضروری
چیز سمجھ لی اور یہ وبا اسقدر بڑھی کہ اگر بازار مین ایک پتھر بلا خاص نشانہ کے

پھینکا جاتا تو وہ کسی کتے کے لگتا یا کسی ڈاکٹر کے۔

یہ تو صرف ایک خاص بات تھی۔ مگر اس کے علاوہ سوسائٹی آزادی حقوق کے جوش مین عادات و اطوار کے لحاظ سے سر سے پیر تک بدل گئی تھی، زمانہ کے ساتھ بہت سی باتین جو پہلے خوبی سمجھی جاتی تھین اب توہمات اور مہمل کی قطار مین آ گئی تھین اور اکثر حرکات جو پہلے معیوب خیال کی جاتی تھین اب عین تہذیب تھین! میڈیکل سارٹیفکٹ کا زور بھی کچھ بہت ایام تک نہین رہا، یہ بھی اسی طرح بے سود اور لغو ثابت ہوا جس طرح عصمت کے تحفظ کا ڈھکوسلا! آزاد سوسائٹی جو اپنے معاملات مین کسی بزرگ یا جہان دیدہ شخص کی راے کا اتباع بھی بری سمجھتی تھی۔ ڈاکٹر پر اسقدر بھروسا کہان کر سکتی تھی! دنیا جس راستہ پر جا رہی تھی اسمین کسی کا محتاج یا پابند بننا ایک سخت گناہ تھا۔ لہذا یہ بالکل نیچرل تھا کہ ہر ایک چیز کا امتحان بذات خود جب تک فریقین نہ کر لیتے انکا اطمینان نہین ہو سکتا تھا! مذہب دنیا سے کنارہ کرتا جاتا تھا، مساوات اور آزادی کا طوفان بڑھتا جاتا تھا، عیوب خوبیون اور خوبیان عیوب کا لباس پہنتی جاتی تھین، زمانہ نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، اور سوشلزم اپنی دلفریب خوبیون کے ساتھ ہر چہار طرف پھیلتا جاتا تھا!

معلوم نہین نیچر کو اس ترقی کرنے والی مخلوق کے ساتھ کہان کا بیر

کہ جسقدر یہ مشکلات سے پیچھا چھڑاتی ہے اُسی قدر وہ اور زیادہ مشکلات
حائل کرتی جاتی ہے۔ جب انسان نے پیدل چلنے سے قدم آگے بڑھاکر
زین سواری شروع کی تو نیچر نے محض ٹھوکر لگ جانے سے آگے بڑھکر گھوڑے
پر سے گر کر مر جانا پیدا کر دیا۔ پھر انسان نے گاڑی بنائی تو اُسکا اُلٹ جانا
اور زیادہ مہلک چیز وجود مین آئی۔ جب ریل نے دنیا سے وجود مین قدم
رکھا تو ریل لڑ جانے کا سخت مہلک حادثہ بھی ساتھ ساتھ پیدا ہوا۔ مختصر
یہ کہ انسان جس قدر اپنے آرام و آسائش حاصل کرنے کے زور مین آگے بڑھتا
جاتا ہے نیچر اسی قدر تکلیف اور مشکلات حائل کرتی جاتی ہے۔ یہی حالت
سوسائٹی کی ہوئی، وہ جسقدر آگے بڑھتی گئی پابندی اور دھوکے سے گلوخلاصی
حاصل نہ کر سکی مگر اُسکی ترقی ابھی ختم نہین ہوئی تھی۔ ابھی وہ سوشلزم کی
اس حد تک نہین پہنچی تھی جہان پہنچنا اسکا مقصد تھا۔ اب شادی کرنا اور
تمام عمر کے لیے ایک مرد کا ایک عورت کے قبضہ مین یا ایک عورت کا ایک
مرد کے قبضہ مین آکر قیدی بن جانا اُسے سخت جہالت آمیز پابندی نظر آتی
تھی۔ اب وہ یہ چاہتی تھی کہ تمول و مفلسی کا فرق دنیا سے اُٹھا دے۔ محض
اتفاق کی بدولت۔ اتفاق پیدائش کے بدولت۔ ایک کا امیر اور ایک کا
فقیر ہونا دور کر دے۔ سب کو ایک سطح پر لے آئے۔ اس طرح نہین کہ بے
زر کو زردار بنا دے بلکہ اس طرح کہ زردار سے اسکا تمول علنحدہ کر دیا جائے

اور سچ بھی یہی ہے کہ مکان بنانے سے گرانا زیادہ آسان اور ممکن الوقوع ہے۔ اب وہی سوسائٹی چاہتی ہے کہ دنیا سے فرق مراتب کھودے، عزیز و اقارب کا جھگڑا باقی نہ رکھے، ہر شہر مین ایک پبلک فنڈ قائم کرے اور اسکا روپیہ سب کا روپیہ ہو، ہر شخص کو صرف ضروریات زندگی کے موافق اُس فنڈ سے بلا کسی خاص فرق کے ملا کرے، شادی کا وجود باقی نہ رہے، انسان قطعی آزاد ہو اور توسیع نسل انسان محض نیچرل طریقے پر ہو، پیدا ہونے والے بچون کے لیے ایک مکان پبلک کی طرف سے بنایا جاے، پیدا ہونے والا اپنے مان باپ تک سے بے خبر ہو، وہ کسی ایک کا بچہ نہ ہو بلکہ پبلک کا بچہ ہو، جو کچھ ہو وہ سب کا ہو، اور ہر ایک کا ہو، اگر سب کے لیے محل نہ بناے جا سکین تو کسی کے لیے بھی محل باقی نہ رکھا جاے کیونکہ سب کو جھونپڑون مین دیکھکر محل کی آرزو کسی کے دل مین پیدا نہین ہوگی، یہ ہین وہ مقاصد جنکو ترقی یافتہ دنیا کی موجودہ ترقی کرنے والی سوسائٹی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ انسان کے فضول تعلقات، خواہ مخواہ کی قیود، اور فرق مراتب کے رشک و حسد نے انسان کو بے حد مغموم اور متفکر بنا دیا، اسکی زندگی تکالیف اور سرگردانیون کا مجموعہ ہوگئی ہے، اور وہ کبھی مسرت حقیقی حاصل نہین کرسکتا یہ امید کی جاتی ہے کہ جب وہ تعلقات کم کرے گا تو اُس سے پیدا ہونے والے تفکرات کم ہوجائینگے، جب وہ تمام قیود کو توڑ ڈالے گا تو نہایت

آزادی کے ساتھ اپنا اور اپنے وقت کا مالک ہوگا؛ اور جب فرق مراتب اُٹھ جائے گا تو انسان تمول حاصل کرنے کے جنون سے نجات پائے گا، اسوقت انسان کو حقیقی مسرت حاصل ہوگی اور اسوقت وہ فکر و غم سے قطعی نجات پائے گا۔ یہ سوشلزم کی معراج کمال ہے اور اسی پر پہنچنے کے لیے تہذیب یافتہ دنیا سرگردان ہے! البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ کبھی پہنچنا ممکن بھی ہے یا نہین؟ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ دنیا اُس حد تک پہنچ بھی گئی تو اسکو فی الواقع آگے بڑھنا کہین گے یا پیچھے ہٹنا؟ سمجھ مین نہین آتا کہ وہ ترقی کرے گی یا پھر اُسی پہلے وحشی انسان کے بین بین ہوجائے گی! اور کچھ عجب نہین کہ اس مرتبہ پھر وہ انسان سے بندر کے قالب مین پہنچ جائے، کیونکہ بندر کو انسان سے بدرجہا بے فکری، مساوات، اور مسرت حقیقی حاصل ہے! خیر ابھی اُسوقت کے آنے مین دیر ہے! ہان جس جگہ یورپ اب ہے ہندوستان بھی اسی جگہ پہنچ کر رہتا، اور کیونکر نہ پہنچتا جبکہ مسز رضا نے صدیوں برس پیشتر اس آزادی کا بنیاد ی پتھر ایک سوسائٹی کی صورت مین رکھا تھا اور حقوق نسوان کے حامئی گروہ نے آستینین چڑھا کر۔ مگر آنکھین بند کرکے اسکو رائج کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا!

آہ انسان نہایت خود غرض ہے، ازسرتاپا خود غرض ہے! پہلے وہ صنف نازک کا کفیل تھا، اسکو اپنی عزت، اپنی حرمت اپنی آبرو سمجھتا تھا؛ مگر اب وہ

اسکو بھی باہر نکالنا چاہتا ہے، اسے دنیا کی کشمکش مین سرگردان بنانا چاہتا ہے اسکی امداد سے پہلو تہی کرتا ہے، اور جوش حماقت وجذبۂ جنون مین اس نازک گلاب کو۔ اس آبدار موتی کو۔ تمازت آفتاب اور کشمکش بازار مین لاکر اسکی دلکش عفت وعصمت برباد کرنا چاہتا ہے۔ کیون؟ یہ نہ پوچھیے! ہزارون پردون کی آڑ مین وہ اپنی خود غرضیان چھپاتا ہے، لیکن چھپ نہین سکتین! محض اسکا اپنا جوش وحشت وشعلۂ عیش پرستی ہے جس کے بجھانے کے لیے وہ اس صنف لطیف کو اسکا حامی بنکر خراب کرنا چاہتا ہے

بھر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من انداز قدت را می شناسم!

آہ اُس کی خود غرضی، خود غرضی، خود غرضی! ایک ایک فعل سے ٹپکی پڑتی ہے! اور دیکھنا یہ ہے کہ وہ عمر قید سے نکلنے کے جوش مین چولھے مین سے نکل کر بھاڑ مین تو نہین گرنا چاہتا!

ترسم کہ بکعبہ نرسی اے ہندی — این رہ کہ تو میروی بہ انگلستان است!

طوق آدم

(مطبوعہ الناظر مارچ سنہ ۱۹۱۴ء)

(۱)

آپ مجھسے پوچھتے ہین کہ مین رسالہ یا اخبار کے ہاتھ مین آتے ہی سب سے پہلے "ضرورت ہے" والے کالم کو کیون پڑھتا ہون اور اُس مین اسقدر دلچسپی کیون لیتا ہون؟ مین اسکا جواب صرف یہ دے سکتا ہون کہ اگر آپ میری جگہ پر ہوتے اور آپ کو بھی ایسا ہی تجربہ ہوتا تو آپ بھی ایسا ہی کرتے! مجھے اسکے بیان کرنے مین ذرا بھی تامل نہین کہ میری کالج کی زندگی ایک عجیب آزادی کے ساتھ گزری ہے! مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ مین کسی امتحان مین امتیاز کے ساتھ کامیاب نہین ہوا! کبھی امتحان دینے کے بعد مجھے اپنی کامیابی کا یقین نتیجہ آنے سے پیشتر نہین ہوا! مجھے کتاب کے نام سے - بلا کسی استثناء کے نفرت تھی! اگر کبھی اخبار وغیرہ کے دیکھنے کی خطا مجھسے سرزد بھی ہوتی تھی تو محض اس خیال سے کہ کسی نئے اشتہار کو معلوم کر سکون! ریاضی سے مجھے اسقدر لگاؤ تھا جس قدر ایک مسلمان کو ہو سکتا ہے، لاجک سے مجھے ایک ناقابل بیان اُلجھن ہوتی تھی، اور فلاسفی سے مجھے بغض للّہی تھا! مین خود تعجب کرتا ہون جب مین یہ سوچتا ہون کہ مین نے بی - اے کا ڈپلوما کس طرح پالیا!

مستقل مزاجی مجھسے اسی طرح کوسون بھاگتی تھی جس طرح لاحول سے شیطان! ہمیشہ ایک ہی چیز کو اچھا کہنا میری رائے مین اول درجہ کی جہالت تھی مین کبھی فٹ بال ٹیم کے ساتھ ٹوٹ پڑجاتا تھا اور کبھی سب کی استدعا پر بھی روزانہ کھیل مین شریک ہونے سے گھبراتا تھا! کالج کی زندگی نے مجھے "سیماب" کا خطاب دلوادیا تھا اور مین اسی خطاب سے عام طور پر مشہور تھا! ایسی طبیعت اور ایسا دل لیے ہوے مین نے ڈگری لینے کے بعد پیارے کالج کو خدا حافظ کہا اب ایک بھری پُری دنیا اپنی بیشمار دلچسپیون کے ساتھ میرے سامنے موج زن تھی اور مین- ناتجربہ کار ناواقف حیران- اسکے ساحل پر کھڑا سوچتا تھا کہ آنکھین بند کرکے کود پڑون یا نہین؟

یہ اور سن لیجئے کہ مین اپنے فرسٹ ایر کے زمانہ مین اپنے جونیر- کم عمر دوست کے بار بار کہنے پر اسکے ساتھ بمبئی گیا تھا- مین کالج مین اسی سال باہر ہوکر شامل ہوا تھا اور وہ یعنی جرائسٹ انٹرنس مین تھا- آپ کو جرائسٹ کے سمجھنے مین دقت ہوگی مگر یہ بھی ایک خطاب سمجھ لیجئے جو اسکو تیسری جماعت کے زمانہ مین ملا تھا- وجہ یہ تھی کہ وہ ایک روز اپنی ریڈر کے یاد کرنے مین بہ آواز بلند مشغول تھا، اور "سی (C) ایچ (H) آر (R) آئی (I) ایس (S) ٹی (T) جرائسٹ معنی عیسیٰ" کی رٹ لگا رہا تھا کہ کسی بڑے طالب علم نے سن پایا! بس اسی روز سے وہ جرائسٹ ہوگیا! اسکے ساتھ مجھے اپنی عمر کسب سے

پہلے بمبئی جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ مین اسی کے یہان مہمان رہا اور یہ بھی سمجھنا مشکل نہین کہ اسکی والدہ اور اسکی نوعمر چھوٹی بہن نے مجھ سے پردہ نہین کیا! ابھی سے پردہ گدھے کے سر سے سینگ سے زیادہ مفقود ہے اور سچ یہ ہے کہ وہان کے لوگ نہایت ترقی یافتہ اور آزاد خیال ہین! میری راے مین پردہ کیسی سے کیسی معتدل شکل مین بھی ایک نہایت وحشیانہ حرکت ہے! مین کبھی ایسی لغو اور فضول چیز کو کسی حالت مین موزون نہین سمجھ سکتا! ممکن ہے کہ آپ اس معاملہ مین میرے ہم خیال نہ ہون مگر آپ کی کمزوری کا جواب وہ سواے آپ کے اور کوئی نہین ٹھہرایا جاسکتا! مختصر یہ کہ اُس گھر مین جو راحت مجھے اس قلیل زمانہ مین ملی مین اُسکو کبھی نہ بھول سکا، اور اُس گھر والون کا بیحد خلق اور مہمان نوازی میرے دل و دماغ پر ہمیشہ نقش رہی! دماغ پر تو اس وجہ سے کہ اسکے بعد سے مین جِرِاُسٹ کے والدین کو ہمیشہ خط لکھتا رہا اور وہ انتہاے انسانیت کے ساتھ برابر جواب دیتے رہے! اور دل پر اس وجہ سے کہ...... خیر اسکی نسبت آگے چل کر معلوم ہو گا!

ہان اس جملۂ معترضہ کو چھوڑیے! مین نے جب کالج چھوڑا تو اپنا سامان وغیرہ ڈھونے سے فراغت حاصل کرتے ہی مجھے بمبئی کی لو لگی! مین نہین کہہ سکتا کیون، مگر کوئی چیز تھی جو مجھے زبردستی لے گئی! مین ایک

ہوٹیل مین ٹھہرا تھا، دن کو گشت لگاتا تھا، شام کو سمندر کے کنارے دل و
دماغ کو تازہ کرنے جاتا تھا۔ مگر پھر یہی سوچتا تھا کہ آخر مین اس بحر ناپیدا کنار
مین کودپڑون یا نہین؟

چرائسٹ کے والدین مجھے قریب قریب روز ملتے تھے، اور قریب
قریب روز مجھے اپنے مکان مین اُٹھا لے جانے پر مجبور کرتے تھے! مگر مین خدا
جانے کس کشمکش مین مبتلا تھا! میرے دل کو ایک گونہ تسلی بلاناغہ ہوتی رہتی
تھی اور میری آنکھین اپنا مشغلہ روز کم ازکم ایک مرتبہ ضرور پا لیتی تھین! مگر
مین پھر بھی یہی سوچتا تھا کہ آخر مین اس تموج جادو فریب مین کودپڑون یا نہین؟

ایک ایک معمولی واقعہ بیان کرنا گویا داستان گوبننا ہے! اور سلسلہ وار
کتھا گانا ایک دقیانوسی طریقہ ہے! مین بلاتفریق ہر پرانی حرکت سے متنفر،
لہٰذا اسقدرسن لیجئے کہ مین بھی آخر کار اس دلفریب بحر ذخار مین کودا، کودا اور
آنکھین بند کرکے کودا! دوسرے سال کے جاڑے مین مین اپنے ڈرائنگ روم
مین چرائسٹ کی نوعمر بہن حمیدہ سے - یا فی زمانہ اپنی بیوی سے یہ کہہ رہا تھا
"پیاری! آج تو غضب کی سردی ہے بدن کانپا جاتا ہے!"

(۲)

- مین غالباً یہ کہہ چکا ہون۔ اور میری صورت بھی ہر دیکھنے والے کو بتا سکتی ہے
کہ مین مستقل مزاج نہین ہون؛ اور نہ خدانخواستہ کسی حالت مین کولھو کا بیل بننے

کے لیے تیار ہون - کیونکہ مستقل مزاج اور کولھو کا بیل میری نظر مین ہر لحاظ سے مرادف نظر آتے ہین! جس چیز کو مین آج پسند کرتا ہون کوئی وجہ نہین کہ کل بھی اسی کو پسند کرون! مجھے اس منطق کی صغریٰ و کبریٰ مین حصہ مشترک ہی مفقود نظر آتا ہے! جو شخص مستقل مزاجی کا حامی ہو وہ بشرط فرصت مجھ سے تبادلہ خیالات کر سکتا ہے! خدا جانے یہ بوسیدگی کس دماغ کا نتیجہ ہے؟ ترقی کے معنی ہی یہ ہین کہ زمانہ کے ساتھ برابر بڑھتے رہنا اور مستقل مزاجی کے معنے یہ ہین کہ - معاف فرمائیے گا - تھکے اونٹ کی طرح ایک جگہ ٹھہر جانا!

دراصل میرا مزاج اور میری طبیعت انگلینڈ کا موسم تھی! کوئی نہین بتا سکتا کہ کل میری حالت کیا ہوگی - مین کس بات مین دلچسپی لونگا اور کس بات سے نفرت کرونگا! مین اس زندگی کا عادی تھا اور میرا اسکو چھوڑنا ایسا ہی تھا جیسا مچھلی کا پانی کو چھوڑنا! مین کبھی کسی ایک چیز کا مداح برابر نہین رہا، اور خدا کا شکر ہے کہ تقلید کی غلطی مجھ سے کبھی سرزد نہین ہوئی!

مگر سچ یہ ہے کہ حمیدہ نے میری اس عادت کو اچھی طرح جان لیا تھا - وہ میری گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی طبیعت کو تاڑ گئی تھی اور مین نہین کہہ سکتا کیونکر وہ مجھے روز نئے نئے رنگ مین جلوہ گر نظر آتی تھی! یہ ایک حقیقت ہے کہ وہی پہلی چیز تھی جس سے مین کبھی نہین اُکتایا، وہی پہلی صورت تھی جس سے میرا دل کبھی سیر نہین ہوا! وہ میری طبیعت کے ساتھ ساتھ روزانہ پلٹا کھاتی ہو

یا کسی اور طرح، مین قطعی نہین بتاسکتا کہ وہ مجھے متواتر چھ مہینے خوش اور مطمئن رکھنے مین کیونکر کامیاب ہوئی!

اُسکی صورت اگر مین بلاکم وکاست بیان کرون تو غالبًا آپ یہ سمجھین گے کہ مین اپنی بیوی کو رشک شیرین بنانا چاہتا ہون۔ یا مین خود اسکے پیچھے رشک قیس بنگیا ہون! مگر مین آپ کو یقین دلاتا ہون کہ قیس عامری اور فرہاد ایرانی میری نظر مین دونون اول درجہ کے مخبوط الحواس تھے۔ مین ایسے عشق کو جہالت سمجھتا ہون اور سچ یہ ہے کہ ایسی آندھی اندھیر جذبۂ عشق مین سوا ے حیوانیت کے اور کچھ نہین! شاعرون نے اسکو چار چاند لگانے مین بہت کچھ ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا ہے، مگر سرے سے شاعرون ہی کی وقعت میری نگاہ مین کچھ نہین! مین نفس شاعری مین ہی کوئی بات قابل ستایش نہین پاتا۔ شاعری اور دنیا کی اور بہت سے فضولیات سب ایک قطار مین ہین! تفریح اوقات کے لیے اب دنیا نے شاعری سے زیادہ دلچسپ مشغلے ایجاد کر لیے ہین! اگر آپ کی راے اسکے خلاف ہے تو کوئی وجہ نہین کہ مین دنیا کو اپنی آنکھون سے نہ دیکھون آپ کی یا اور کسی کی آنکھون سے دیکھون! آپ یقین کیجیے موسیقی اور شاعری مین اگر کچھ اثر مانا جاے تو مین "واٹر پروف" کی طرح "میوزک پروف" یا "پوئٹری پروف" ہون! اب آپ سمجھ سکتے ہین کہ مین کسی بات

مین شاعری کرنی نہین چاہتا؛ اس لیے میرا یہ کہنا کہ حمیدہ میرے نقطہ خیال
سے تمام خوبیوں اور حسن دلفریب سے آراستہ نظر آتی تھی کافی سے بھی زیادہ ہے
وہ میرے مزاج و طبیعت کے لئے نہایت موزون تھی؛ البتہ اُسمین صرف
ایک عادت تھی جو آخر کار میرے مزاج کے خلاف ثابت ہوئی!

وہ میرا ہی دل لبھانے کے لیے تھی۔ روز نت نئی صورت و لباس مین
جلوہ گر ہوتی تھی، یہانتک تو نہایت اچھا تھا، لیکن وہ اسکے ساتھ ہی یہ بھی
چاہتی تھی کہ مین روزانہ اسکی دلفریبی اور حسن کا اعتراف بھی کرون۔ اور یہی
غضب تھا! مین بارہا اس سے کہہ چکا تھا۔ اسکے سامنے شاعری کر چکا تھا
کیونکہ مین ایسے الفاظ کو نظم ہی سمجھتا ہون۔ کہ وہ سب سے زیادہ حسین۔ سب سے
زیادہ دلکش، سب سے زیادہ دلفریب، نیچر کی انتہائی صنعت، تہذیب اور ترقی
کی نقش آخرین، وغیرہ وغیرہ تھی اور ہے! لیکن اسکے معنے یہ نہین ہو سکتے کہ
مین ہمیشہ ان الفاظ کو طوطے کی طرح دُھرایا کرتا! جب کبھی وہ خلوت مین ہوتی
ایک شعلہ خود ستائی اُسمین بھڑک اُٹھتا اور اسوقت تک فرو نہ ہوتا جب تک
کہ مین عملاً نہین بلکہ قولاً۔ الفاظ مین اسکی مدح سرائی نہ کرتا! مین اسکو نہایت
عزیز رکھتا تھا لیکن پھر بھی آپ جانتے ہین میرا نام۔ کالج کا نام ہے سیماب تھا
اسکے علاوہ حمیدہ کو ایک بات سے نفرت بھی تھی: وہ کسی عورت کو میری
زبان سے خوبصورت سننا برداشت نہین کر سکتی تھی! گویا اپنی دلفریبی کی تعریف

اور دوسرے کے اپنے ہمسر نہ ہونے کا اقرار، یہ دونوں ایسی عادتین
تھین جو مستقل طور پر اسکی طبیعت ثانیہ بن گئی تھین اور مین کسی عادت
کے پابند ہونے سے اوسیقدر دور تھا جسقدر قطب شمالی قطب جنوبی سے
ہے! وہ کسی اور کے حسن کی تعریف سُننا نہین چاہتی تھی، اور مجھے بعض
اوقات۔ بلا کسی وجہ کے اسکی دھن لگ جاتی تھی! تاہم ایسے لمحے جو ہماری
خاموش اور مسرت انگیز زندگی مین باد صرصر کا طوفان کہے جا سکتے ہین؛
اکثر واقع ہوتے تھے؛ لیکن یہ آندھیان بلا کسی ظاہری نقصان کے اوپر ہی اوپر اُتر جایا
کرتی تھین اور بہت جلد مطلع صاف ہو جاتا تھا!

ایک روز مین اُسوقت جب کہ وہ اپنے ٹوائیلٹ سے یا بالفاظ
دیگر کنگھی چوٹی سے فارغ ہو چکی تھی اور میرے پیچھے کھڑی ہوی اپنی دل
فریبی اور حسن بیمثال کا اندازہ بڑے آئینہ مین کر رہی تھی، مین ایک با تصویر
انگریزی میگزین دیکھ رہا تھا اور ایک ایکٹرس کی تصویر میری آنکھون کے
سامنے تھی! غالباً وہی شعلۂ خودنمائی اسکے اندر بھڑک اٹھا، اور اس نے میرے
پاس آکر دیکھا تو مجھے ایک دوسری صورت کے نظارہ مین مشغول پایا! ممکن
ہے کہ اس سے وہ شعلۂ خودنمائی زیادہ مشتعل ہو گیا ہو، لیکن مجھے اسکا مطلق
علم نہین تھا! میرے اوپر اُس تصویر کی تعریف کرنے کی خواہش آندھی کی طرح
مسلط ہوتی جاتی تھی اور مین نے آخر کار کہا اور کہا:۔ پیاری حمیدہ! دیکھنا یہ

ایکٹرس کسقدر خوبصورت ہے!"

"کیا خاک خوبصورت ہے؟ مجھے تو اسمین کوئی خوبصورتی نہین معلوم ہوتی!" اس نے کہا!

وہ یہ چاہتی تھی کہ کم از کم ایک مرتبہ غور کے ساتھ اسکو سر تا پا دیکھ تو لون" اور مجھپر یہ جن سوار تھا کہ اسے میری ہان مین ہان ملانی چاہیئے' مین نے تصویر پر نظر جمائے ہوے پھر کہا "بھلا کیا کہتی ہو! اسکی آنکھین تو دیکھو، اس کے بال تو دیکھو۔۔۔۔؟"

"خیر وہ ہزار حسینون کی ایک حسین سہی! مجھے کیا؟ مین نہین سمجھ سکتی تم ایسی فضول باتون مین کیون اپنا اور میرا دونون کا سر پھرایا کرتے ہو؟"

"سچ یہ ہے کہ دن کو دن کہنا کوئی گناہ نہین ہے! مین صرف اپنی راے ظاہر کر رہا تھا، اگر تم اس کے خلاف ہو تو یہ تمھاری ذاتی راے ہے' جس مین ممکن ہے کوئی اور وجہ بھی پوشیدہ ہو! مگر اختلاف راے کی وجہ سے ایسا نہین ہو سکتا کہ مین اپنی آزادرا[illegible]ے ظاہر نہ کر سکون اور سینکڑون سوالات کو محض تمھاری ناپسندیدگی کی وجہ سے۔ ایک کاگ لگی ہوئی بوتل کی طرح اپنے مین بند رکھون!"

یہ بحث برابر بڑھتی چلی گئی! مجھپر اور اسپر دونون پر اپنی اپنی طبیعت کے موافق ایک جن سوار تھا! نتیجہ یہ نکلا کہ اس مرتبہ یہ آندھی بلا نقصان عظیم کے

نہین اُتری! حمیدہ نے بات بڑھ جانے پر اپنی ریشمین نقاب اُٹھائی اور وہ
خدا حافظ کہتی ہوئی چلی گئی! چند منٹ کے بعد مین نے گاڑی کے باہر جانے کی
آواز سُنی اور اُس وقت مجھے اپنے ایک پُرانے کلاس فیلو کا فقرہ - جو وہ تمسخر
کے طور پر ہمیشہ کہا کرتا تھا - یاد آیا کہ "درد شادی کر اور بربادی لے!"

(۳)

پہلے روز تو مین اپنے اُسی خیال مین مستغرق رہا - میری نگاہ مین حمیدہ
کی یہ دیدہ دلیری ناقابل عفو جرم نظر آتی تھی! مجھے اپنی حالت پر افسوس بھی تھا
افسوس! اور بیحد افسوس - صرف اس بات کا افسوس کہ مین نے اپنی بیش بہا
آزادی کو محض دو فتنہ زا آنکھون، دو دلکش رخسارون اور چند ایسی ہی دلفریب
چیزون کے عوض مین کیون غارت کر دیا! میری رائے مین اُسوقت شادی "زر
دادن و درد سر خریدن" سے زیادہ دقیع چیز نظر نہین آتی تھی! مین مرحوم غالب
کی رباعی کو لفظ بہ لفظ صحیح سمجھ رہا تھا:-

بہ آدم زن بہ شیطان طوق لعنت   سپردند از رہ تکریم و تذلیل
ولیکن در اسیری طوق آدم   گران تر آمد از طوق عزازیل

دوسرے دن میرے خیالات یہ نہین تھے - طبیعت کا غبار رات کے ساتھ ہوا
ہو گیا تھا! اسکے علاوہ کوئی وجہ نہین تھی کہ جس کو مین کل پسند کر رہا تھا آج
اُسی کے لیے بیقرار نہ ہوتا! سچ ہے کہ تنہائی کا رفتہ رفتہ پڑنے والا اثر مجھے

بے چین کیے دیتا تھا! نوکر کا تقاضا تھا کہ فرنیچر خراب ہو رہا ہے مرمت کی ضرورت ہے، خادمہ کی ضد تھی کہ پہلے برتن دیکھ لیے جائیں وہ بھی ٹوٹ گئے ہیں: میں نہیں کہہ سکتا محض ایک حمیدہ کے نہ ہونے سے میں اپنے آپ کو کیسی مصیبت میں پاتا تھا! میں اور ایسے فضولیات کا حساب و کتاب! ناممکن قطعی ناممکن! میں کبھی ان واہیات باتوں کی طرف مشغول نہیں ہوا تھا حمیدہ خدا جانے کس طرح ان سب سے برسر آتی ہوگی مجھے تعجب تھا! تاہم اب کیا کیا جائے؟ حمیدہ کو واپس آنا چاہیے!

مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئی کیونکہ کوچبان سے صرف اسقدر پتہ چل سکا تھا کہ وہ قلابہ کے اسٹیشن پر اتری تھی! بفرض محال اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو بھی اسکے پیچھے وارنٹ گرفتاری کی طرح ہر جگہ پہنچنا میرے دل و دماغ کے قطعی خلاف تھا! خود جا کر خوشامد کرنا یا دو ایک کو درمیان میں ڈال کر اور زیادہ تشہیر کرنا مجھ سے قطعی ناممکن تھا پھر کیا کیا جائے؟ کچھ کیا جائے یا نہ کیا جائے حمیدہ کے بغیر اب مجھے زندگی ایک کالا پانی معلوم ہوتی تھی!

میں سوچتا رہا اور سوچتا رہا! مجھے اس سے پہلے سوچنے کا اتفاق بہت کم ہوا تھا! کیونکہ سوچنا میرے خیال میں ایک بہت نازیبا بات ہے، اس سے انسان کی پیشانی پر جھریاں پڑتی ہیں، اس سے طبیعت پر ایک بار معلوم ہوتا ہے، اس سے عمر زیادہ معلوم ہونے لگتی ہے، اس سے آدمی بڈھا

ہوجاتا ہے؛ اور؟ اور کیا نہین۔اس سے تمام نقصانات ہی نقصانات ہوتے ہین! بہرحال بندہ مجبور لاچار! سوچنا ہی پڑا! نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نئی چیز میرے دماغ مین بجلی کی روشنی کی طرح پر توفگن ہوئی! مین فوراً اُٹھا اور ٹوپی سر پر رکھتا ہوا باہر نکل گیا!

جسقدر عرصہ مین گھڑی کی بڑی سوئی نے ۲۰ منٹ کا فاصلہ طے کیا اسیقدر عرصہ مین مین نے اپنا راستہ ختم کرلیا۔ ۲۰ منٹ کے اختتام پر مین .... روزانہ اخبار کے آفس مین منیجر سے نہایت تعجیل کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "اچھا تو آپ الفاظ کے حساب سے چارج کرینگے! خیر جس طرح آپ چاہین! مین جو عبارت شایع کرانا چاہتا ہون وہ ابھی لکھے دیتا ہون۔ آپ ملاحظہ کرلین"

منیجر نے میری عجلت کو تعجب کے ساتھ دیکھتے ہوے ایک سادہ کاغذ اور قلم دوات میری طرف بڑھایا اور مین نے کھڑے ہی کھڑے میز پر ایک ہاتھ ٹیک کر جھکے ہوے لکھنا شروع کیا:۔

"ضرورت ہے

ایک چھ مہینے کے شادی شدہ شوہر کو اپنی حسین بیوی کی جو دو روز سے تبدیل مزاج کی غرض سے کہین چلی گئی ہے! انکھین سیاہ، رنگ سرخ و سفید، بال گھونگھر والے، قد میانہ، عمر ۱۸ سال، نام حمیدہ! جو شخص مذکورۂ بالا کو کسی طرح نمبر ۲۴ منزل نمبر ۱ بائیکلا مین اپنے ساتھ لے آئیگا اُسکو دو اشرفیان بطور معاوضہ

محنت نذر کی جائیں گی! خط و کتابت کی ضرورت نہیں ہے نہ مزید حالات بتائے جا سکتے ہیں!"

"دل بے چین شوہر عبدالحی سیماب"

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ منیجر نے اس اعلان کو پڑھنے کے بعد میری طرف دیکھا، اور ایک مسکراہٹ جو غالباً کوشش خود داری کی زنجیروں میں جکڑے جانے کی وجہ سے مسکراہٹ ہی بنکر رہ گئی ورنہ قہقہہ بننے کے لیے تیار تھی۔ اُسکے ہونٹوں بلکہ تمام چہرے پر ظاہر ہوئی! میں نے اجرت بلا بحث نقد ادا کی اور خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکلا! میرے باہر نکلتے ہی دو چار کلرکوں اور منیجر کے دل کھول کر ہنسنے کی آواز میرے کان میں آئی!

(۴)

میں جانتا تھا کہ حمیدہ.... روزانہ اخبار کو دیکھتی ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ کل کے پرچے میں وہ اعلان شایع ہو گیا ہے! مجھے اس کا بھی یقین تھا کہ حمیدہ ہر جدت آمیز بات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے! یہ ہی وجہ تھی کہ میں نے ایسا اعلان ایک روزانہ اخبار میں کیا۔ کیا اور محض اس خیال سے کیا کہ حمیدہ اسکو پڑھے، میری حالت سے آگاہ ہو جدت آمیز خیال کو پسند کرے، اور چلی آئے! آج دوسرا دن تھا مگر اب تک اس کا پتہ نہیں تھا! ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس نے اخبار پڑھا ہی نہ ہو! میں تو یہ سمجھا تھا کہ اُس نے کل ہی پڑھا ہوگا، اور اگر اس نے مان لیجئے۔ کل بھی نہ پڑھا ہو تو آج

میں تو کوئی شک ہی نہیں! اب دوپہر ڈھل چکی تھی نصف سے زیادہ دن گزر چکا تھا اور میری تشویش بڑھتی جاتی تھی!

میں اپنے ڈرائنگ روم میں اسی خیال میں غلطاں پیچاں تھا۔ ڈوبا ہوا تھا۔ کہ میرا نوکر کواڑ کھول کر اندر گھسا اور کہنے لگا "حضور ایک شخص اور ایک نقاب پوش عورت آپ سے ملنا چاہتے ہیں"! میں فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو عزیز۔ حمیدہ کا چچا زاد بھائی ہو گا۔ "جو" حمیدہ کو لایا ہو گا۔ یا ممکن ہے حسن کو حمیدہ اپنے ساتھ لائی ہو! میں نے فوراً اندر آنے کی اجازت دی اور کرسی پر سے کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحہ کے اندر نہایت سرعت کے ساتھ مجھے خیال آیا کہ آخر میں کون لگا؟ دروازہ کھلا اور جاہل شخص جو صورت سے کوئی دوکاندار معلوم ہوتا تھا اندر گھسا اور یہ کہتا ہوا گھسا "حمیدہ! حمیدہ! اندر آ" اُس کے پیچھے پیچھے ایک نوجوان عورت جس نے اب نقاب اُتار ڈالی تھی اندر آئی۔ اُس کا چہرہ، اُس کی بیباکی، اس کی وضع، غرض اسکی ایک ایک بات بتا رہی تھی کہ وہ نہایت چلتی ہوئی عورت تھی جہانتک میرا حافظہ اور اداشناسی کام کرتی ہے میرے خیال میں وہ کوئی بازاری آوارہ گرد عورت تھی۔ لانے والے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیجئے" اب یہاں موجود ہیں، ہم کو ایک ہوٹل میں ملیں۔ ہم کل سے اخبار پڑھ کر تمام بمبئی ڈھونڈھ ڈالا آج ہم کو ملی تو ہم نے فوراً پکڑ لیا۔

اس نے بہت کچھ شکایت کیا۔ تمھارا برائی کرتا ہے۔ خیر تم جانے یہ جانے یہ خود کہے گا تم سنے گا۔ اب ہمارا معاوضہ۔ بس ہم خلاص!"

مجھے تعجب تھا، حیرت تھی، پریشانی تھی میری زبان سے نکلا "تم کہتے کیا ہو؟ یہ عورت کون ہے؟" وہ "ہم کہتا ہے کہ تم نے اخبار مین لکھا کہ جو کوئی اسکو لاے گا وہ ڈیڑھ گنی پاے گا۔ ہم کل ۱۲ گھنٹے تلاش کیا۔ رات بھر اسی خیال مین رہا۔ آج برابر صبح سے ڈھونڈھ رہا ہے۔ اسکی آنکھین سیاہ ہین، رنگ گورا ہے سرخی نہین ہے تو وہ اس چار دن کی پریشانی مین جاتا رہا۔ بال گھونگھر والا ہے۔ قد بیچ کا ہے عمر کون اس کا ۱۸ سال سے زیادہ بتا سکتا ہے؟ نام اسکا حمیدہ ہے (اسکی طرف) کیون ہے نا؟"

اس مین شک نہین کہ اُس مین یہ سب باتین تھین۔ مگر آخر اس حماقت کے معنی کیا۔ وہ میری پیاری حمیدہ نہین تھی۔ نہین خدا نہ کرے! مین نے جواب دیا "مگر یہ میری بیوی نہین ہے"

وہ (عورت کی طرف) "کیون یہ کیا بات ہے؟"

عورت "کیا پیارے سیماب! پیارے سیماب! اب تم ایسے خفا ہو کر پہچانتے تک نہین۔ مین تمھاری بیوی نہین ہون! مین۔ حمیدہ! میری طرف تو دیکھو"

ابتک مجھے استعجاب تھا مگر اس جواب پر وہ استعجاب غصہ سے بدل گیا۔ یہ نالائق عورت اور میری بیوی؟ اس گستاخی کے معنے کیا؟ یہ بدمعاشی

اپکی دغابازی۔ جعلسازی۔ غصہ بڑھ چلا اور میرے منھ سے نکلا "گستاخ عورت!
اس بدتمیزی کے کیا معنے......"
میں فقرہ بھی ختم نہ کرنے پایا تھا کہ وہی لانے والا شخص بولا "دیکھو سیٹھ
بدتمیزی وغیرہ کا وجہ تنہائی میں پوچھو۔ وہ چلا گیا تھا اس کا قصور ہے۔ سب کے
سامنے ایسا مت کہو۔ آخر وہ تمھاری بیوی ہے۔" میں (نہایت غصہ کے ساتھ)
"بدمعاش! یہ پاجی عورت میری بیوی کیوں ہونے لگی...."
وہ "دیکھو سیٹھ۔ ہم پر زبان مت چلاؤ۔ تم جانو تمھارا بیوی جانے۔ ہم سے
کچھ مطلب نہیں۔ چاہے تم اسے رکھو چاہے نکالو مگر ہمارا دو گنی ہم کو دو اِنس"
مجھے غصہ تھا، پریشانی تھی، الجھن تھی۔ سب کچھ تھا! قطعی سمجھ میں نہیں
آتا تھا کہ آخر لڑوں یا کیا کروں اتنے ہی میں دروازہ پھر کھلا ایک اور گنوار
جاہل ایک عورت کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اندر گھسا اور میری طرف دیکھکر بولا
"یہ لو! یہ حمیدہ موجود ہے! میں دو دن سے مارا مارا پھرتا تھا۔ آج میں مجھے ایک
دوکان پر دیکھ پایا اور کھینچتا ہوا لایا۔ آنکھ، رنگ، بال، قد، عمر سب دیکھ لو
یہ تمھاری بی بی حمیدہ ہے کہ نہیں؟ اور میرا انعام..."
اب میرے غصہ نے بھی مجھ سے بھاگنا شروع کیا۔ میں ساکت تھا،
مدہوش تھا، مبہوت تھا! دوسری عورت "و پیارے سیٹھ کیا اب بھی تم
اپنی پیاری حمیدہ سے نہیں بولوگے؟"

پہلی عورت "تو کون چڑیل ہے جو میرے شوہر کو اپنا شوہر بتاتی ہے؟"

دوسری عورت "چل چنچی! تجھ جیسی مکارہ مین نے ہزارون دیکھ ڈالین! سیماب میرا شوہر ہے یا تیرا؟"، دونون لانیوالے (تقریباً ساتھ ہی ساتھ)

"بتائیے سیٹھ! آپ کا بیوی کون ہے؟"

"بولو صاحب! بولو! ہاتھ پکڑ لو ایک کا؟"

گورنمنٹ کا قانون کہیے، اپنے پوزیشن کا لحاظ سمجھیے، یکایک حیرت زدہ ہو جانا اسکی وجہ ٹھہرائیے، جو کچھ بھی ہو، مین نہین بتا سکتا کہ کس خیال نے اسوقت مجھے دست درازی سے روک لیا! میری حالت عجیب تھی مین حیرت زدہ بھی تھا اور پریشان بھی- خائف بھی تھا اور غصہ سے لرزان! مین نے گھنٹی بجائی! ملازم فوراً اندر تھا! مین یہ کہتا ہوا کہ "دیکھو پولیس کو آواز دو اور ان سب بدمعاشوں کو اُنکے حوالہ کرو"، ڈرائنگ روم سے نکلکر سونے کے کمرہ مین چلا گیا! مجھے خیال ہے کہ مین جاتے ہی پلنگ پر سر پکڑ کے بیٹھ گیا!

برابر والے کمرے مین سب کے باہر جانے کی آواز میرے کان مین آئی! پھر کچھ تکرار اور تھوڑی دیر مین سناٹا! مین نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب مین ڈرائنگ روم مین نہین جاؤنگا- مجھے ڈر تھا کہ اگر اسی طرح دس پانچ زبردستی بیوی بننے والیان..... میرا سلسلۂ خیال کواڑ کھلنے کی آواز سے ٹوٹ گیا- مین نے دیکھا تو پیاری حمیدہ ریشمین نقاب ڈالے ہوے ایک عجیب شان

دلربائی کے ساتھ میرے سامنے تھی......!

تھوڑی دیر کے بعد جس میں معمولی شکوہ و شکایت کا دفتر ختم ہو چکا تھا۔ وہ میری آغوش میں تھی! اُسکا شعلہ خودستائی پھر بھڑک اُٹھا۔ مگر میں اُسکے بجھانے کے لیے کئی روز سے تیار تھا! اس وقت۔ اور صرف اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ دونوں بازاری عورتیں اور اوباش آدمی، حمیدہ ہی کے اشارہ پر آئے تھے اور عزیز نے اسکا انتظام کیا تھا! میری دواشرفیاں تو بچ گئیں لیکن حمیدہ کو اس پلاٹ کے تیار کرنے میں دوگنیاں نظر کرنی پڑیں! آہ... شریر۔ شوخ.... پیاری حمیدہ!

———(✝)———

وہ دن اور آج کا دن! دو باتوں میں پورا پورا اعتقاد رکھتا ہوں ایک تو یہ کہ اخبار کا "ضرورت ہے" والا کالم قابل فروگزاشت چیز نہیں! اور دوسرے یہ کہ مرحوم مرزا نے سچ کہا ہے۔

"ولیکن وراسیری طوق آدم گران تر آمد از طوق عزازیل"

اتفاقات زمانہ

(مطبوعہ الناظر ماہ جون ۱۹۱۴ء)

میری تغییر رنگ پر مت جا
اتفاقات ہین زمانے کے

(۱)

حمیدہ کو عبدالعزیز کے مرنے کا رنج کچھ اس وجہ سے نہین تھا کہ وہ عبدالعزیز سے مانوس تھی! بلکہ سچ پوچھیے تو مبئی بھر مین حمیدہ کو اگر نفرت دلی تھی تو صرف دو شخصون سے ایک تو مرد، یعنی عبدالعزیز؛ اور ایک عورت، یعنی بھورے بالون والی رضیہ! لیکن اسمین بھی شک نہین کہ عبدالعزیز کی اچانک موت سے اُسے ایک عجیب پریشانی، صدمہ کے قریب قریب پہنچ جانے والی پریشانی پیدا ہو گئی تھی! اس معمے کے سمجھانے کے لیے واقعی اسکی ضرورت ہے کہ ہم آغاز سے آغاز کرین!

"عزیز اینڈ اسمٰعیل جنرل سٹورز" ایسی مشہور دوکان تھی جسکو مبئی کا بچہ بچہ تک جانتا تھا اسکی شہرت کی وجہ زیادہ تر یہ سننے مین آئی ہے کہ بالکل نئے مغربی

اصول پر چلائی گئی تھی! سوائے عزیز اور اسمٰعیل کے جو شرکائے کمپنی تھے، تمام کارکن صنف نازک کی دلکش صورتیں تھیں! یہ بن لیس یعنی فیتہ دبیل وغیرہ کے حصہ کی انچارج حمیدہ تھی اور روپیہ پیسہ کی نگران رضیہ تھی! تحویل داری کے منصب پر رضیہ کے مقرر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ سیٹھ اسمٰعیل کی دور دراز کی رشتہ دار بھی تھی! حمیدہ اور اس کے علاوہ اور سب محض تنخواہ پانے والی خادمہ تھیں! حمیدہ کو اگر رضیہ سے لاگ تھی تو ایک حد تک بجا تھی: آپ خود غور کیجیے حمیدہ سیٹھ عبدالعزیز کی آوردہ تھی جو بلحاظ حصہ کے شریک غالب تھا اور اس وجہ سے ایک کم حصہ دار کی آوردہ کا اس سے اچھی جگہ مقرر کیا جانا اسے شاق تھا! اس میں بھی شک نہیں کہ وہ بڑھے عبدالعزیز سے اس کھلم کھلا حق تلفی کی شکایت ضرور کرتی! لیکن قسمت ایک ایسی نظر نہ آنے والی ہوا ہے جو دفعتًہ ادھر سے ادھر پلٹ جاتی ہے! رضیہ اور حمیدہ کی دلی لاگ کا بیج ابھی بویا ہی گیا تھا کہ فالج نے سیٹھ عبدالعزیز کو چارپائی کا۔ اور کچھ دن کے بعد قبر کا شکار بنا دیا! عبدالعزیز دکان ہی نہیں بلکہ دنیا سے کنارہ کر گیا اور اب حمیدہ تنہا اور بیکس رہ گئی! ایسی... صورت میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ عبدالعزیز کی موت کا حمیدہ کو کس قدر رنج ہوا ہوگا! یہ صاف ظاہر ہے کہ حمیدہ اور رضیہ کی لاگ جڑ پکڑتے پکڑتے عناد اور حسد کی سرحد میں داخل ہوگئی اور یہ آگ اب پانی ڈالنے سے اور زیادہ بھڑکتی نظر آتی تھی!

عبدالعزیز کی زندگی مین کئی دفعہ ایسا ہوا کہ حمیدہ نے رضیہ کے لباس پر اسکی طرز رفتار و گفتار پر نکتہ چینی کی! ایک مرتبہ اگر حافظہ غلطی نہین کرتا تو یہان تک ہوا کہ حمیدہ نے رضیہ کی ریشمین ساری کے باندھنے کے طریقہ پر اسکے سامنے دو بدو نقص نکالا: لیکن اب، اب جبکہ عبدالعزیز کی آنکھین ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی تھین وہ اپنے آپکو کم زور اور بے یار و مددگار پاتی تھی! سچ یہ ہے کہ رقابت اور رشک وحسد کا جذبہ، مجھے اس سے بحث نہین کہ یہ جذبہ اچھا ہے یا بُرا، صنف نازک مین بہت جلد مشتعل ہو جاتا ہے! مین پورے طور پر یہ بھی نہین کہہ سکتا کہ ایک نوجوان عورت مین دوسری نوجوان عورت سے کن کن باتون مین رشک یا حسد پیدا ہوتا ہے! مگر اس مین شک نہین کہ اس طبقے مین رشک ورقابت کے شعلہ زن ہونے کے ہزارون بلکہ لاتعداد طریقے ہین! حسن وصحبت کو چولھے مین ڈالیے، زیور، لباس، نمونہ، طرز گفتار، اور خدا جانے کیا کیا چیزین ہین جن پر فوراً شعلہ کی طرح جذبۂ رقابت وحسد بھڑک اُٹھتا ہے! مجھ سے پوچھیئے تو یہ مضمون بھی اس قابل ہے کہ کوئی جدت آمیز دماغ، کوئی طباع فلاسفر اسکی پوری پوری تشریح وتعریف کر دے! امید کیجاتی ہے کہ بیسوین صدی کے آخری حصے مین کوئی جینیس (غیر معمولی ذکاوت) سے آراستہ دماغ پیدا ہو اور اس مسئلہ کی پوری پوری تحقیق وتدوین کر دے! مختصر یہ کہ مین اس کوچہ سے نابلد محض ہون اور اس لیے مین اس پر کسی قسم کی یعنی اپنی شمع شب افروز کی

یا نئے برقی لیمپ کی روشنی نہین ڈال سکتا! اس لیے آپ مجھسے اس معاملہ پر رائے زنی کی امید نہ رکھین۔

یہ مین ضرور کہہ سکتا ہون کہ یہ جنگ رقابت و رشک برابر جاری رہی اور عبدالعزیز کی موت کے ساتھ رضیہ کا پلّہ بہت جھک گیا! ایک واقعہ نے تو تقریباً تمام نوجوان لڑکیون کو رضیہ کا طرفدار بنا دیا اس دوکان کا قاعدہ یہ تھا کہ خریدار جو کچھ خریدتا اُس چیز کا بل دے جاتا جسکو لیکر وہ تحویل دار کے پاس جاتا اور وہان قیمت مندرجہ بل ادا کرکے اپنی چیزین لیجاتا! غالباً جمعہ کے روز کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کچھ فیتے اور بیلین لینے آیا جسکی قیمت انتخاب و پسند کے بعد حمیدہ نے جو اس شاخ کی نگران تھی عہر بتائی۔ وہ بل لیکر تحویل دار کی میز پر پہنچا اور چونکہ ریزگاری اُسکے پاس نہ تھی اس لیے اسنے بل کے ساتھ عار رضیہ کے حوالے کیے! رضیہ نے ایک سرسری نظر بل پر ڈال کر اُسے تار مین لگا دیا اور میز کی دراز کھینچ کر عار اُس مین رکھنے کے بعد ۱۲ار اُس شخص کو واپس دیدیے! یہ تو ظاہر ہے کہ اُسکو بارہ آنون پر تعجب ہوا اور وہ انکو لیے ہوے پھر حمیدہ کی میز پر پہنچا!

”میرا خیال ہے آپ نے قیمت شاید عہر بتائی تھی اور یہی بل مین لکھی ہوگی؟“ اُس نے پوچھا! ”ہان بے شک یہی! کیون؟ کیا ہوا؟“

”کچھ نہین ۔ غالباً بل کے پڑھنے مین غلطی ہوئی مجھے صرف ۱۲ار دور دیے“

ہین واپس ملے ہین" اگرچہ وہ خود نہایت تہذیب کے ساتھ یہ کہہ رہا تھا
کہ ہندسون کے پڑھنے مین غلطی ہوئی ہوگی" مگر حمیدہ کو اس قدر بات مل جانی کافی تھی
آپ جانتے ہین جنگ حسد مین، بلکہ تقریباً ہر جنگ مین" ایک حریف اپنے مقابل
کو کم از کم ذلیل کرنے مین بھی وہی لطف اُٹھاتا ہے جو شکست دینے یا پسپا کرنے مین
حمیدہ اُس شخص کو اپنے ساتھ لیے ہوے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تیزی مین اُس سے
دو قدم آگے رضیہ کے سر پر شبخون مارنے والے غنیم کی طرح جا پہنچی۔ جا پہنچی
اور بلا توقف ایک خاص وقار آمیز ترشی کے ساتھ کہنے لگی :-

"تمنے اس بل مین ۲/ کیون زیادہ لیے! قیمت صرف ۴/ مین نے لکھی تھی
اور تمنے بجاے ۴ آنہ کے ۱۲/ واپس کیے ہین!"

رضیہ (بل کو تار مین سے نکال کر دیکھتے ہوے) مین نے اس رقم کو ۴/
پڑھا۔ یہ دو کا ہندسہ صاف نہین لکھا تھا۔

حمیدہ خوب! گویا ابھی تم کو اسکول کی ضرورت ہے! میری نظر مین
تمھارا یہ جواب قابل لحاظ نظر نہین آتا۔ یہ بہت واہیات ہے۔ اگر شریف
خریدارون کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائیگا تو بہت جلد دوکان مین کُتے لوٹتے
نظر آئین گے! تمکو دوکان کے نام و عزت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔"

"واقعی مجھ سے غلطی ہوئی"، اُس نے ندامت کے ساتھ جواب دیا۔ اور
خریدار صاحب سے عجیب ندامت آمیز لہجے مین مخاطب ہوئی:-

مجھے آپ سے نہایت شرمندہ ہوں اور اس غلطی کی معافی چاہتی ہوں!"

"نہیں نہیں۔ کچھ نہیں۔ آپ اسکا مطلق بھی خیال نہ کیجیے!" اس نے جواب دیا!

وہ تو اپنے دام پورے کرا کر چلا گیا! مگر رضیہ کے دل و دماغ پر ایک عجیب اثر
چھوڑ گیا! اور اس کھلم کھلا توہین کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اور اسی کا نتیجہ
یہ پورا واقعہ سیٹھ اسمٰعیل کے کان تک من و عن پہنچا دیا گیا! رضیہ کا بیٹھ پیچھا ہے
اور سب کو خدا کو جان دینی ہے، سچ یہ ہے کہ یہ واقعہ محض غلط فہمی کی وجہ سے پیدا
ہوا۔ ورنہ آپ خود غور کیجیے دو تین سو روزانہ آمدنی کی تنخواہ دار آٹھ پیسے پر اپنا ایمان
اور نیت خراب کرتی! مگر حقیقت یہ ہے کہ دشمن کو اپنے دل کا بخار نکال لینے کا موقع
چند لمحوں کے لیے اچھا مل گیا۔ اور حمیدہ آپ کو ماننا پڑے گا بہت کچھ کہہ گزری

سیٹھ اسمٰعیل کو حمیدہ کی یہ حرکت ناگوار ہوئی تو حق بجانب تھا، کیونکہ رضیہ لاکھ
تنخواہ پانے والی خادمہ سہی مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ خون کا لگاؤ تو ضرور تھا! سیٹھ اسمٰعیل
نے اسی روز حمیدہ کو تمام متعلقین دوکان کے روبرو اس نامعقول حرکت پر
کسی قدر سرزنش لہجے میں۔ مگر مہذب الفاظ میں فہمائش کی! اس کا نتیجہ جو کچھ نکلا
وہ قطعی نیچرل تھا! اسی روز سے تمام خادمہ رضیہ کے آگے پیچھے رہنے لگیں۔
اور حمیدہ جب دوکان سے شام کو گئی تو اسکا چہرہ تمتمایا ہوا تھا! اسکے قدم
زور زور سے پڑ رہے تھے۔ اور اسکی آنکھیں پرنم تھیں!

دنیا فانی اور ناکارہ ہو یا نہ ہو، لیکن ظاہر پرست اور مطلب پرست ضرور ہے! جس قدر دنیا نوسی استقلال اور جہالت آمیز جوش گھٹتا جاتا ہے اُسی قدر مطلب پرستی اور طاقت پرستی بڑھتی جاتی ہے! موجودہ مہذب تعلیم یافتہ، دنیا سائنس کو اپنا مذہب سمجھتی ہے: اور سائنس یہ صاف طور بتاتی ہے کہ دو طاقتیں جب ایک دوسری سے ٹکرائیں گی تو زبردست یقیناً کمزور کو پسپا کردے گی: اب کوئی وجہ نہیں کہ مہذب دنیا ہمیشہ طاقتور کا ساتھ نہ دے، کیونکہ کمزور کی حمایت لینا نہایت غیر فطری اور اصول سائنس کے خلاف ہے کمزور ہستی کو جسقدر جلد دنیا سے خارج کر دیا جائے اُسی قدر اچھا ہے کیونکہ یہ مانا جاتا ہے کہ کمزور کا وجود مستقبل کے لیے ضرر رسان ہے، وہ جب تک زندہ ہے کمزوری کی وبا پھیلاتا رہے گا۔ اور کمزوری کا بیج بوتا رہے گا! اُسکی نسل اُس سے بھی زیادہ کمزور ہو گی اس لیے نہایت محفوظ اور موجودہ طریقہ یہ ہے کہ کمزور و ناچار کا بیج ہی دنیا سے اُڑا دیا جائے!

رضیہ کی طرفداری سیٹھ اسمعیل نے کی کہ ساری دوکان والیان اسکے گرد و پیش رہنے لگین، اور حمیدہ کا ساتھی سوائے بیوقوف، کم عمر، ناتجربہ کار سارہ کے اور کوئی نہ رہا۔ سارہ ابھی نوعمر تھی، ابھی اُس نے سترھوین سال مین قدم بھی نہ رکھا تھا اور اسی وجہ سے وہ پہلی روش کے موافق اب بھی حمیدہ کی ساتھی تھی! اس نادان لڑکی کو چھوڑ کر باقی نوجوان عورتین رضیہ کی میز پر دانون کی

طرح جمع رہتیں! ظاہر طریقہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ رضیہ نے حمیدہ کو پسپا کر دیا اور عنقریب وہ اطاعت قبول کرلے گی!

سیٹھ عبد العزیز کو قدرت نے مول میں بہت زیادہ حصہ دیا تھا، لیکن اس زیادتی کو اولاد کے معاملہ میں امساک ظاہر کر کے پورا کر لیا تھا! عبد العزیز نے دولت بہت کچھ چھوڑی، لیکن اولاد کے نام اللہ کا نام تھا! مرنے سے دو روز پیشتر بذریعہ وصیت نامہ اُس نے اپنا تمام مال اپنے بھتیجے عبد المقیط[1] کے نام منتقل کر دیا اور اس لیے اب اسکا وارثِ جائز تنہا وہی تھا! مقیط دو سال ہوے کہ اسکول سے پاس ہوکر کالج کی سرحد میں داخل ہوا تھا اور علی گڑھ ایم۔ اے۔ او کالج کی بکی بارک میں زندگی گزار رہا تھا! چچا کے مرتے ہی، بلکہ ترکہ کے ہاتھ آتے ہی اُسنے کالج کو خیر باد کہنے کی ٹھان لی اور وہ باوجود صرف ایک مہینہ ایف۔ اے۔ کے امتحان میں باقی رہنے کے۔ کم از کم امتحان میں شریک ہونے کی راہ نہ دیکھ سکا!

جس روز سے دوکان میں معلوم ہوا تھا کہ مقیط عبد العزیز کا جانشین قرار پایا اُسی روز سے دوکان کا ایک ایک متنفس اُسکے آنے کے دن گن رہا تھا! یہ ظاہر ہے کہ وہ اب شریک غالب تھا اور دوکان آیندہ اُسی کی ہدایت اور پسند پر چلنے والی تھی! حمیدہ بھی اپنی ظاہری معیبت خاموشی کے ساتھ برداشت کر رہی تھی! تمام لڑکیوں کے طعن و تشنیع مضحکہ آمیز فقرے پھبتیاں سب ہی کچھ سُنتی اور پی جاتی! امین تو امین، غالباً سارہ بھی

[1] مقیط کے املا کے ذمہ دار خود عبد المقیط ہیں جو ابتک اسکو اسی طرح لکھتے ہیں اور لکھا ہوا دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

جو اسکی تنہا مونس بھی نہیں بتا سکتی کہ وہ اُسوقت اپنے دل میں کیا کیا منصوبے باندھتی تھی! بہت ممکن ہے کہ اوروں کی طرح اسکو بھی عبدالمقیط کی آمد کے ساتھ کسی انقلاب کی اُمید ہو! تاہم اُسکی دلی اُمیدیں پردہ راز میں تھیں اور رہیں :

مقیط نے حتے الامکان آنے میں بہت جلدی کی، مگر پھر بھی بمبئی پہنچتے پہنچتے اُسے کم و بیش ایک مہینہ لگ ہی گیا! سب جانتے تھے کہ مقیط نوجوان ہے، آزاد خیال ہے، اور خوبصورت ہے: لیکن اس کا علم کسی کو نہ تھا کہ وہ دلکش اور با اثر بھی ہے! مقیط جس روز اعلٰی درجہ کا سوٹ پہنے، پلش ہیٹ لگائے، نپے تُلے قدم رکھتا ہوا دوکان میں داخل ہوا وہ بھی عجیب دن تھا کسی کو اُسکے آنے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ معلوم نہ تھی۔ مگر حمیدہ اب بھی قسم کھاتی ہے کہ رضیہ کو پہلے سے علم تھا اور اسی وجہ سے وہ اُس روز غیر معمولی طور پر آراستہ اور دلکش لباس پہنے ہوئے تھی! جو کچھ بھی ہو، مقیط سیٹھ اسمٰعیل کے ساتھ ساتھ اندر گھسا۔ ہیٹ اتار کر ہاتھ میں لیے ہوئے اُس نے چاروں طرف نظر ڈالی، اور باتوں میں مشغول ہال کے بیچوں بیچ پہنچکر رُکا! یہ تو سب نے اچھی طرح مارک نہیں کر پایا تھا کہ اُسکی تجسس آمیز نظر صنف نازک کے چہروں پر دوڑ لگاتی ہوئی حمیدہ کی شکل پر کسی قدر ٹھیری تھی! مگر یہ سب نے دیکھ لیا اور اچھی طرح دیکھ لیا کہ اُس نے آفس کے کمرے میں جانے سے پیشتر قصداً حمیدہ کو پھر دیکھا، اور غور سے دیکھا!

حمیدہ خود کن انکھیون سے دیکھ رہی ہوا یا مقیط کی گہری اور تیز نظر کی گرمی اُسکے گداز اور نرم رخسار سے پر محسوس ہوئی ہو، کچھ بھی ہو، بس قدر صاف معلوم ہوگیا کہ حمیدہ کی گردن کچھ لمحون کے اندر کئی انچ اونچی ہوگئی اور اُسکے چہرہ پر شباب کا خون ابل مارنے لگا! رضیہ کی جو کچھ حالت ہوئی اُسپر سارہ آج تک جب کبھی یاد کرتی ہے بے ساختہ ہنس پڑتی ہے: مقیط کی آمد نے اُسکے دل و دماغ پر وہی اثر کیا جو بلوچر کی آمد نے نپولین پر کیا تھا!

ہوا کا رخ پلٹتے ہی دوکان کے متعلقین کا رنگ بھی بدل گیا۔ سچ بھی یہ ہے کہ جب مقیط اپنے فرصت کے وقت حمیدہ کی میز کے قریب ادھر اُدھر کی باتین کرتا نظر آتا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اور تمام نوجوان لڑکیان جو اس سے پیشتر اُسکا مضحکہ اڑاتی تھین، اب اُسی طاقت پرستی کے اصول کے موافق ایک ایک کر کے اُسکی طرفدار نہ ہوجاتین! مقیط کے ملازم ہونے مین اُسکے کالج کے دوستون مین سے کسی ایک کو بھی اختلاف نہ تھا، اور وہ ایک ہی ہفتے مین دوکان کے متعلقین اور اُنکی ظاہری حالت سے اچھی طرح واقف ہوگیا۔ البتہ سارہ اُس زمانے مین بیماری کی وجہ سے چھٹی پر تھی اور اُسپر مقیط کوئی راے قائم نہ کرسکا!

خود سیٹھ اسمٰعیل کے الفاظ ہین کہ "مقیط کے آنے سے دوکان کا کاروبار دوگنا چمک گیا" اور واقعہ بھی یہ ہے کہ دوکان کے عروج کا

زمانہ اور اسکی آمد ایک ہی تاریخ سے شروع ہوتے نظر آتے ہیں! اس نے
دراصل پوری محنت کے ساتھ تمام معاملات میں خود دلچسپی لینی شروع کی اور
خود ایک ایک الماری کا وقتاً فوقتاً معائنہ کرنا شروع کیا۔ سیٹھ اسمٰعیل کو
اس ہوشیاری اور پیچیدگی سے بڑا آرام ملا اور وہ کوئی کام بلا مقبول کی رائے کے کبھی کرنے
کی جرأت نہیں کرتا تھا! رضیہ اب لپسا ہونے سے بھی زیادہ گر گئی تھی اور
اسکی کسی شکایت کو اسمٰعیل چوہری ہمدردی کے ساتھ نہیں سنتا تھا! ایسی صورت میں
سوائے خاموشی کے ساتھ اپنا کام روزانہ انجام دینے کے اور وہ کیا کرتی؟
ایک روز آفتاب ابر غلیظ کا اسیر ہوگیا تھا؛ ہوا ٹھنڈی چل رہی تھی اور
بارش ہلکی ہلکی پھوہار کی صورت میں برابر جاری تھی اور ایسا سماں تھا جس سے
نوخیز طبیعت میں خواہ مخواہ رہ رہ کر گدگدی خود بخود محسوس ہونے لگے! ایسی
بوندا باندی میں خریداروں کا ہر روز کے موافق آنا تو معلوم؛ اس لیے
دوکان کے متعلقین تقریباً بیکاری میں وقت گزار رہے تھے! مقبول آفس
سے نکل کر ہال میں آیا، اور وہاں سے ٹہلتا ہوا دروازے تک پہنچا! وہ بھی
اسوقت ایک سگار سلگائے، ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالے ہال
سے دروازے تک اور دروازے سے ہال تک برابر ٹہل رہا تھا۔ کبھی
کبھی حمیدہ کی میز کے پاس ٹھہر کر دو ایک باتیں کر لیتا تھا۔ ورنہ زیادہ
سگار کے راکھ بنانے میں دھواں دھار کوشش کر رہا تھا۔ اسوقت

اسکی طبعیت پر بھی بھیگی ہوئی ہوا کا پورا پورا اثر تھا! وہ کچھ کہتا بھی تو مذاق آمیز لہجے اور تبسم نما دہانے کے ساتھ کہتا! نہ صرف حمیدہ سے بلکہ کئی ایک سے اُس نے خطاب کیا اور جن الفاظ مین، بلکہ جن تیورون کے ساتھ اسکو جواب ملا وہ افسوس ہے کہ میری کمی علم کی وجہ سے تحریر کے محدود دائرہ مین نہین آسکتا!!

یہ وقت اور یہ کیفیت تھی جبکہ دروازے کے قریب کسی کے بے تحاشا بھاگتے ہوے سیڑھیون پر چڑھنے کی آواز آئی! مقیط ٹہل تو رہا ہی تھا، قدم بڑھاتا ہوا دروازہ مین تھا! دروازے مین تھا کہ رُکتے رکتے بھی بھاگ کر آنے والے سے ٹکرا گیا! اب ایک عجیب قوت مدافعانہ کے ساتھ دونون ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ الگ ہوگئے مگر نظرین مل گئین آنکھین لڑ گئین! مقیط ایک ناقابل بیان حیرت کے ساتھ جس مین حیرت کے ساتھ ہی ایک جذبہ بھی جھلک مار رہا تھا۔ سامنے والی تصویر انسانی کو دیکھ رہا تھا۔ اور۔ سارہ۔ کیون کہ یہ آنے والی وہی تھی، خدا جانے کس خیال سے اپنی لڑ جانے والی نگاہون کو پلکون کی زنجیرون مین باندھ کر زمین پر گرا دینا چاہتی تھی! اُسکے بال کھلے ہوے تھے، ریشمین ساری کا آنچل ڈھلک کر سینے کے اُبھار اور شانون کی روک تھام سے گرنے سے بال بال بچ گیا تھا، بے تحاشا دوڑنے کی وجہ سے غیر معمولی سرخی چہرے پر دوڑ گئی تھی، چھتری جو ایک ہاتھ مین تھی سیدھی کندھے پر گر گئی تھی اور وہ کیفیت جو اسوقت یکایک مقیط سے ٹکرا جانے سے پیدا ہوئی تھی سونے

پر سہاگہ کا کام کر رہی تھی! میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیوپڈ* کا تیر کون سی ادا کی صورت
میں ترازو ہوا، لیکن ہوا ضرور! مقیط کی چلبلی طبیعت یہ حالت دیکھتی اور وقار
کو، جسکا خیال مس ماڈلین نے بھی بہت کم کیا، قائم رکھتی؟ وہ کچھ جھجکا مگر ساتھ
ہی اُسکے ہاتھ قابو سے باہر ہو گئے! اُسنے سارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے
ہوئے کہا "آئیے آئیے! اندر تشریف لائیے (کسی قدر مسکراہٹ کے ساتھ)
کیا صرف مینھ سے پناہ مقصود ہے یا کچھ خریدنے کے لیے تکلیف گوارا کی ہے؟"
"جی نہیں! میرا نام سارہ ہے" اُس نے جواب دیا۔ یہ جواب آپ ہی کو
نہیں مقیط کو بھی نہایت مہمل معلوم ہوا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایک خادمہ جو محض اتفاق
سے اپنے آپ کو کسی اور نظر سے دیکھے جانے پر موقر ہو رہی ہو، آقا کو سوا اسکے
اور کیا جواب دیتی! آپ کو ماننا پڑیگا ایسے مہمل فقرے بڑے گہرے جذبات
اور نہایت باریک معنی اپنی تہ میں اکثر لیئے ہوئے پائے گئے ہیں!
مقیط "میں آپ کا نام سنکر نہایت ممنون ہوا۔ آپ اندر تشریف..."
حمیدہ نے اپنی میز پر سے بات کاٹ کر کہا "مسٹر مقیط! یہ سارہ
وہی لڑکی ہے جس کا میں اکثر آپ سے ذکر کر چکی ہوں یہ موزہ اور
بنیان کی انچارج ہے"
مقیط (ہاتھ میں ہاتھ لیے ہوئے) اچھا! آپ وہ ہیں جو ابتک چھپی بیٹھی ہیں!"

* کیوپڈ Cupid حسن کا دیوتا

"جی ہاں" سارہ نے آنکھیں جھکائے ہوئے اور آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ کو کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا!

(۳)

ہمارا مقصد یہ نہین کہ اس واقعہ کو شیرین فرہاد کی داستان بنا دین! محض زمانہ کے اتفاقات کا بیان سمجھیے! اول سے آخر تک سوائے اسکے اور کچھ نہین! حمیدہ کا عبدالعزیز کی موت کے ساتھ گر جانا اور رضیہ کا بڑھ جانا: پھر مقیط کی آمد کے ساتھ معاملہ برعکس ہو جانا: یہ سب کچھ کیا تھا؟ محض اتفاق! مگر اسی نت نئے روپ بدلنے والے اتفاق نے رضیہ اور حمیدہ مین اچھے خاصے نفاق کی بنیاد ڈالدی تھی!

یہ صحیح ہے کہ دوسرے روز مقیط کے اشارہ پر حمیدہ سارہ کو اپنے ساتھ لے کر رات کا کھانا کھانے ایک پر تکلف رستوران مین گئی تھی، لیکن اسوقت یکایک مقیط کا پہنچنا۔ مقیط سے اگر اسوقت پوچھا جاتا تو محض اتفاق تھا! اب حمیدہ کا سارہ کو انٹروڈیوس کرانا۔ پرائیوٹ زندگی مین انٹروڈیوس کرانا اور مقیط کا شریک دعوت ہونا یہ سب اسی اتفاق یا چانس کا نتیجہ تھا! اسکے بعد مقیط کا شریک دعوت ہونا! اسکی جیب مین ایکسلز بائیسکوپ کے ریزرو کلاس کے تین ۳ ٹکٹ موجود ہین اور بھی حیرت انگیز تفاق تھا! اور پھر ڈنر ختم ہوتے ہی باہر نکلنے پر ایک گاڑی کا موجود

ہونا سب سے بڑا اتفاق تھا!

بائیسکوپ کا لطف تینون طبیعتون نے اپنے اپنے موافق علیحدہ اٹھایا!
حمیدہ مقبط کے خوش رکھنے کے لیے سب کچھ کر چکی تھی اور کر رہی تھی لیکن چونکہ
اسکی طبیعت منغص تھی اس لیے اسکو تمام فلم نہایت روکھے پھیکے نظر آئے!
مقبط کی طبیعت کا پارہ اسوقت بوائلنگ پوائنٹ (boiling point) سے
بھی اوپر تھا اس لیے ایک ایک نظارہ اسکو دلکش اور سرور انگیز معلوم ہوتا
تھا! اور سارہ کو نیند آ رہی تھی اس لیے اسکی نسبت ہم کوئی رائے نہین لگا سکتے

تماشہ ختم ہوتے ہی اُسی گاڑی مین مقبط نے پہلے حمیدہ کو اسکے گھر تک پہنچایا
اور وہان سے گاڑی چھوڑ کر پیادہ پا سارہ کو اُسکے مکان تک پہنچانے چلا
کیونکہ سارہ اور حمیدہ کے مکان مین صرف دو تین مکان اور ایک چھوٹا سا
پارک حائل تھا! سارہ نے مقبط کو اس تکلیف گوارا کرنے سے باز رکھنے کے
لیے بہت کچھ کہا مگر مقبط کو خدا جانے اس تکلیف مین کیا لطف تھا کہ وہ نہ مانا!

راستہ مین جو معمولی باتین خاص جذبہ لیے ہوے لہجے مین ہوتی رہین
انکا بیان کرنا قریب قریب فضول کے ہے اور پارک مین ایک نارنگی کے درخت کے نیچے
ٹھہر کر جو باتین ہوئین انکا پتہ نہ یہان ہے نہ وہان ہے! تمام راوی اور کل
مورخ اُس گفتگو کی نسبت اپنی معلومات کی شعاع ڈالنے سے قاصر ہیں! البتہ ایک
سڑی سودائی شخص کی زبانی اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ یہ گفتگو کسی لحاظ سے انجوبہ یا نرالی نہیں تھی

آج سے دو ہزار برس پیشتر ایک جوان گڈریہ - بانسری بجانے والے گڈریہ ا
ایک نوعمر لڑکی کے درمیان - جو اپنے گھوڑون کو پانی پلانے آئی تھی - دریا
فرات کے کنارے پر قریب قریب یہ ہی واقعہ پیش آیا تھا: الفاظ اور زبا
مین چاہے کچھ فرق ہو لیکن جذبہ وہی فرات کے کنارے پر بانسرے بجانے
والے گڈریے کا تھا!

× × × × × × × ×

اسکے پورے دو مہینے بعد رضیہ اور حمیدہ کے نفاق کا خاتمہ ہوا او
وہ بھی محض اتفاق سے! لیکن نہ مسٹر مقیط جنکو دو مہینے پیشتر صرف سارہ کہاجا
تھا بیچ مین پڑتین اور نہ اس جنگ رقابت کا خاتمہ ہوتا! کہا جاتا ہے کہ اسوقت
سے حمیدہ، رضیہ، سارہ مین ایسا اتحاد قایم ہوگیا ہے جو یورپ کے اتحاد ثلاثہ
سے کہین زیادہ مستحکم اور سچائی پر مبنی ہے!

آئینۂ خودنما

مطبوعہ یکم دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء

(۱)

کل!

کل یعنے گذشتہ، دیروزا کل میں لکھنا تھا اور سوسائٹی کی مختلف حالتیں میری پیش نظر تھیں! میں دنیا کی ہر چیز کو ترقی کے نقطۂ خیال سے دیکھتا تھا، نئے خیالات کے کانوں سے سنتا تھا، اور تہذیب مغرب کے تتبع میں قلم برداشتہ لکھتا تھا! یورپ کے ساختہ قلم دوات سے لیکر میرے نوجوان دل وجدت پسند دماغ تک کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں دنیائے مغرب کی برقی روشنی جھلک نہ مار رہی ہو! میں اپنے چاروں طرف سوائے مغرب کی صناعی کے اور کچھ نہ پاتا تھا!

میرا دماغ تخیل کے میدان میں بلند پروازی کرتے ہوئے ہمیشہ لندن اور پیرس کی تسلیم کردہ تہذیب کا بلا گردان ہوا کرتا تھا! واقعی میں حق بجانب بھی تھا! میرا خیال تھا کہ میں نے مغربی نقطۂ نگاہ سے تہذیب یافتہ انسان نے دنیا کے تمام توہمات کو انکشاف حقیقت کے لاعلاج حربہ سے

چکنا چور کر دیا ہے! مذاہب کی توہم پرستی اور فرقہ بندی کی تہ تک پہنچکر
اُنکی قلعی کھول دی ہے! رسم و رواج کی جاہلانہ تقلید کا طلسم یک قلم توڑ
ڈالا ہے! اور نفسانیت و تعصب سے پیدا ہونے والی خونریزی کو جڑ
بنیاد سے اُکھیڑ پھینکا ہے!

مین روزانہ دیکھتا تھا کہ میرے فتوحات روے زمین سے تجاوز کرکے
سطح آب و کرۂ باد پر برابر پھیلتے جارہے ہین! مین فلسفہ اور سائنس کی کبھی
نہ بجھنے والی مشعل ہاتھ مین لیے قدرت کے لاتعداد دفینے اور بیشمار خزانے
برابر کھودتا جاتا تھا! مین قدرت کو ہر رنگ مین اپنی حسب خواہش مغلوب
کرلینے مین برابر کامیاب ہوتا جاتا تھا! مین اُسکے پوشیدہ خزانے کو ظاہر کردیتا
تھا مین اُسکے ظاہر کرشمون کو چھپا دیتا تھا، مین اُسکی ہوا کو پانی اور اُسکے
پانی کو ہوا بنا دیتا تھا؛ مین اُسکے سمندر کو خشکی اور اُسکی خشکی کو سمندر سے مبدل
کردیتا تھا؛ مین اُسکی تاریکی کو روشنی اور اُسکی روشنی کو تاریکی سے بدل دیتا تھا؛
مین اُسکے سکوت کو آوازسے اور اُسکی آواز کو سکوت سے پلٹ دیتا تھا؛ اور مین
کیا نہین کرسکتا تھا؟ مین اچھی طرح سمجھتا تھا کہ قدرت میرے دماغ کے
سامنے اپنے ہتھیار ڈالتی جاتی ہے، وہ بے پا نہین مغلوب ہورہی تھی، وہ
آشنا نہین رام ہو رہی تھی! مین اُچھل پڑتا تھا، جوشِ مسرت سے ع بے آپ ہو جاتا تھا

ع لکھنؤ مین اس موقع پر "آپے سے باہر" بولا جاتا ہے - ایڈیٹر

ب مین سوچتا تھا کہ مین کیا کر چکا اور کیا کرنے والا ہون!
میرے لا تعداد تجربون، بیشمار ایجادون، اور لازوال انہماک تجسس
لگ بھی رکھدیا جاتا تو بھی عملی زندگی مین محض میرے دماغی خیالات کا
ندر تمام جہالت آمیز خس وخاشاک کو بہائے لیے جاتا تھا! میرے مسئے
ئہ ارتقاء انوکھے مشاہداتِ کون وفساد، ایک موجِ برکت تھے جو تمام
سانی سمندر مین نت نئے طرز معاشرت کی صورت مین جلوہ گر ہونے جاتے
ے! مین انسان کو فرقہ بندی کے محدود دائرہ سے نکال کر آزادی کے غیر
ود میدان مین کھڑا کرتا جاتا تھا! مین جہالت کی تاریکی کو علم موجودہ کی برقی
نی سے دور کرتا جاتا تھا! مین نسل انسانی کے عیش و ترقی کے ذرائع سوشلزم
زیر سایہ پھیلاتا جاتا تھا! مین انسان کے خون ریزی وتباہی پھیلانے
ے اتفاقی جذبات کو قانون امن کی جکڑ بندیون مین کستا جاتا تھا! اور
سچ یہ ہے کہ اپنے ایجاد کردہ توازنِ قوت اور قانون بین الاقوام کے
بت مجھے یقین تھا کہ مین عنقریب انسان کو انسان بنا دونگا۔ وہ انسان
ن جسکی تعریف زمانہ تاریک مین محض حیوان ناطق کی گئی ہے، بلکہ وہ انسان
نئے تمدن ومعاشرت کے لحاظ سے سر سے پاؤن تک، اور گھر سے باہر تک
ت آمیز آزادی وامن، حیرت انگیز دماغ وعقل، قابل رشک جسم وشکل

اور بمثال خصائل صلح جو کی مجسم تصویر ہو۔ جو مختصر یہ کہ۔ سوشلزم کی عینک سے
جس جس زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے انسانیت نوسے پُر نظر آئے!

تمام اتفاقی فرق مراتب میرے روشن خیالات کے سامنے رفتہ رفتہ
ہیچ ہونے جاتے تھے، تمام مذہبی فساد میری مادیت کے مقابلہ میں وجود سے
عدم کا راستہ لیتے جاتے تھے، اور مجھے یقین تھا کہ میں تہذیب مغرب کا
علم تلوار کے زور سے نہیں پُر امن مداخلت کے رنگ میں مشرق قریب و
بعید کے ایک ایک گوشہ پر بٹھا دوں گا! دنیائے مغرب آپس میں دست و
گریبان ہونے کی بجائے صحرائے مشرق کو اپنی پُر امن تعلیم سے گلزار بنا تی
جائے گی، اور قتل و غارت کی بجائے انسانیت و ہمدردی کا رنگ تمام
عالم پر مسلط ہوتا جائیگا! میں نے تمام خواہشات شر انگیز کو مختلف قوانین
کی زنجیروں میں پوری طرح جکڑ دیا تھا، تمام وحشی عالم کو محدود آزادی کے دائرہ
میں تربیت دینی شروع کر دی تھی، اور دنیا کے انسان نما درندوں کو توانین
قوت و قانون بین الاقوام کے سنگین پنجروں میں بند کر دیا تھا! مجھے ہی
نہیں۔ تمام تہذیب یافتہ دنیا کو یقین تھا کہ تعصب و رقابت، ظلم و جور،
قتل و غارت، کشت و خون، خود رائی و خود پسندی یہ سب ہمیشہ کے لیے نیست
و نابود ہوگئے! میں صلح و امن کی میٹھی نیند میں تمول و عروج لازوال کے
خوش فریب خواب دیکھ رہا تھا اور مزے لے رہا تھا! اپنے دماغ کی کرشمہ سازی

رازہ کر رہا تھا اور داد دے رہا تھا! اپنی عالمگیر قوت پر غور کرتا تھا اور
مسرت سے بے آپے ہو جاتا تھا!

(۲)

آج!

آج؟ آج کچھ کہہ نہیں سکتا کیا ہے؟ توازن قوت کی زنجیر انتہائی
حد تک کھنچتے کھنچتے ٹوٹ گئی۔ قانون بین الاقوام اندرونی و بیرونی کشش
کا تختۂ مشق بنکر پارہ پارہ ہو گیا، اور پھر اس پر چاند یا سورج غرض
کسی نہ کسی کی کشش کی بدولت تلاطم کی کیفیت پیدا ہو گئی! یہ کیوں؟ اسکی
وجہ میں خود بھی واقعی خود نہیں بتا سکتا! یا اگر بتاؤں بھی تو آپ نہیں سمجھ سکتے!

یوں سمجھیے کہ دو اجسام اپنی سریع السیر گردش میں آپس میں ٹکرا گئے
اور میں جو انکو بچانے کیلئے اپنی تمام قابلیت و علمیت صرف کر رہا تھا انکے
ٹکرا جانے کی اچانک آواز سے اپنی طبعی نیند سے چونک پڑا!

میں اسکی وجہ دریافت کرنے کے لئے چاروں طرف دوڑتا ہوں لیکن حق
یہ ہے کہ اطمینان بخش جواب نہ کسی سے خود پا سکا اور نہ آپ کو دے سکتا ہوں
یہ نہیں کہ میں اسکی وجہ نہ بیان کر سکوں۔ نہیں بلکہ۔ اسکا تشفی بخش ہونا یہ
عقلی دلائل سے زیادہ آپ کے نقطۂ خیال پر مبنی ہے! آپ میرے وجدانات کو

میرے ہی کانون سے سُنین اور میری ہی آنکھون سے دیکھین تو ضرور مطمئن
ہو سکتے ہین!
خیر کچھ بھی سہی۔ امن دنیاے مغرب سے اسی طرح چشم زدن مین غائب
ہوگیا جس طرح بجلی کی چمک زمین سے عالم بالا کی طرف جاتی ہے! مین اُنکی
ترقی یافتہ دنیا کو آپس مین دست و گریبان پاتا ہون۔ ایک کو دوسرے کے
خون کا پیاسا دیکھتا ہون اور جاہل انسان سے بدرجہا زیادہ تہذیب یافتہ
دنیا کو قتل و غارت مین منہمک سنتا ہون!
وہی ترقی کی بنیاد سائنس اب تنزل کی آگ کا کام رہی ہے! یہی
جدت پسند دماغ اب ہر ہر لمحہ مین ہزارون کو ہیجان کرنے پر اپنی پوری قابلیت
صرف کر رہا ہے! آپ جانتے ہین تعلیم یافتہ جرائم پیشہ شخص ایک جاہل
ڈاکو سے ہزار درجہ خوفناک اور شر انگیز ہوتا ہے! پڑھا لکھا جن کسی تعویذ
و نقش کے ذریعہ سے رام نہین ہو سکتا! مسلح ڈاکو محض دھمکانے سے باز نہین
آسکتا!
آہ دنیا، ترقی یافتہ دنیا، تمام تمول، تمام قابلیت تمام سائنس، تمام قوت
ایجاد و اختراع صرف اس بات پر صرف کر رہی ہے کہ گھنٹون کے بجاے منٹون
مین گروہ کے گروہ نیست و نابود ہو جائین! خوب صورت اور قد آور نوجوان
عین عالم شباب مین اُسی پرانے خیالِ عزت کے پیچھے اپنی بیش بہا جانون

کو قربان کر رہے ہین! اور سونے کے بڑے بڑے انبار لوہے کے گولون اور
لوہے کی اور چیزون کے لیے لٹائے جا رہے ہین! صدیون پرانی صناعی کی
قابل قدر یادگارین اور اسکے ساتھ ہی نیچر کی "خانہ ساز" بھولی بھولی صورتین
اس طوفان بے تمیزی کی رو مین بہی چلی جاتی ہین!
کیا میرا غصہ حق بجانب نہین کہ ایسے فتنہ پرداز کو جس نے یہ عالمگیر
آگ لگائی ہو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے! شیخ شیراز نے سچ کہا تھا کہ "عاقبت
گرگ زادہ گرگ شود"! کیا اب بھی مین ایسے خونخوار درندے کو باقی رہنے
دون کہ وہ چوپان کے بھیس مین جب چاہے بھیڑون کے گلہ پر آ پڑے!
مین لڑتا ہون، مین مارتا ہون، مین مرتا ہون، مگر حق کی حفاظت کے لیے! امن
کو پائیدار بنانے کے لیے! قومی عہد کو محض "پرزۂ کاغذ" سے زیادہ با وقعت
بنانے کے لیے! اور؟ اور بیگناہ اشخاص کو ظالم کے پھندے سے نجات دلانے کیلئے!
مگر- آہ! اس مین شک نہین کہ حفظان صحت کے اصولون پر کاربند
ہونے سے برسون آباد ہونے والی دنیا، مہینون مین ویران ہو جائے گی!
سالہا سال بچایا جانا والا ذخیرہ آبی دیوان سیاہ کے بدولت طعمۂ ہنگامی
بھری ہو جائے گا! اور انسان تو انسان، مرغان ہوا سے لیکر ماہیان آب تک
کسی کو آرام کی زندگی میسر نہین ہو سکتی! تمام علم، تمام عمل، تمام دماغی ایجادات
تمام نادر دجیش بہا نعمتین، اس آنچ کے دہانے والے اژدہائے آہنی کی بھینٹ

خاک سیاہ ہو جائیں گے!
اس میں تو کسی کو بھی شک نہیں کہ ہر چیز کا استعمال نیک و بد دونوں
میں ہو سکتا ہے! تلوار حق کی حفاظت کے لیے بھی اُٹھائی جا سکتی ہے اور
مجصوم کے حق کو غصب کرنے کے لیے بھی! قتل و غارت دونوں حالتوں میں
ہونا ناگزیر ہے۔ لیکن احسن کون سا طریقہ ہوگا؟ جواب آپ کا دل
دے گا! سوچیے۔ کیا کمزوروں کو پامال ہونے دیا جائے؟ کیا دنیا میں
"جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس" کا مقولہ پھر رائج ہو جانا اچھا ہوگا؟ کیا ایمان و
عزت کے قول و عہد محض مہمل و بیکار الفاظ بنا دیے جائیں؟ کیا تحریری پیمان
کی وقعت بے معنی "پرزہ قرطاس" سے زیادہ نہ رکھی جائے؟ اور اگر ایسا
جائے تو دنیا کی تجارت، دنیا کی درآمد و برآمد، دنیا کا تبادلۂ اجناس، دنیا کا
تمام بازار، کہاں جائے؟
یہ مان لینے پر بھی اس میں شک نہیں کہ کوئی پوشیدہ قوت انسا
مغضوبوں پر ہمیشہ غالب آجاتی ہے! نظر نہ آنے والا ہاتھ ایک ضرب
آواز کے ساتھ تمام انسانی جکڑ بندیوں اور استحکامات کو پارہ پار
ڈالتا ہے! اور ہونے والی بات ہو کے رہتی ہے! بخبر کسی طرح نہیں بچتی! کچھ بھی
ئی الحال تہذیب جدید ایک خوفناک تلاطم میں پھنس گئی ہے! ایک
سر زمین پر گھر گئی ہے جہاں تلواروں کی بجلیاں کوندر ہی ہیں، لو

مینھ برس رہا ہے، اور آتش جان ستان کی ہوا خرمن کے خرمن اُڑا لیے
پھینکے دیتی ہے!

مگر اسکے ذمہ دار کون؟ ..... چونکہ آپ بھی آج موجود ہیں سب
کچھ دیکھ رہے ہیں اور اپنی آنکھوں کے استعمال کرنے کا حق بلا شرکت
غیرے رکھتے ہیں، اس لیے اسکا جواب اپنے نقطۂ نظر کے موافق
آپ خود ہی خوب دے سکتے ہیں!

کل!!!

کل- یعنی آنے والا دن! اسکی نسبت بھی آج کچھ نہیں کہہ سکتا!
آفتاب مشرق سے طلوع ہوا- مغرب کی طرف پہنچ گیا! مگر میں یقین کے
طور پہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل کہاں سے نمودار ہوگا! آپ جانتے ہیں،
آفتاب مشرق کا پابند نہیں، وہ گرمی اور جاڑے کے ساتھ اپنے راستہ
کو تھوڑا بہت بدلتا رہتا ہے، مگر پھر بھی جس گوشہ سے وہ نکلے اُسی کو
مشرق کہا جائے گا!

میں نہیں کہہ سکتا کہ آنے والی کل ہمارا حسن زندگی کا پیش خیمہ ہوگی
یا- خدانخواستہ نمونۂ قیامت! وہ ہماری نظر سے ابھی تک پوشیدہ ہے

اور میرے خیال میں اسپر رائے زنی کرنا فضول ہے!

یہ ضرور ہے کہ کل ہر شخص اپنے آپ کو محض بے گناہ اور مظلوم یا حامی حقوق و عزت، جیسا موقع ہو۔ ثابت کرنے میں وہ وہ دلائل پیش کریگا کہ کل پیدا ہونے والی دنیا انکے ماننے کے لیے گرویدہ ہو جائیگی! آج کے کچھ لوگ اگر چشم دید واقعات بیان کرنے کے لیے بچ بھی گئے تو نقارخانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتے! دنیا پھر اپنی ہی عیش پسندی و حصول قوت کے راستہ پر چلے گی، گزشتہ واقعات کو جہالت کا جامہ پہنا کر پھر کوئی نیا لباس تہذیب کے لقب سے زیب تن کریگی اور پھر کبھی نہ کبھی اسی طرح نامعلوم قوت کے ایک تھپڑ سے جہاں تھی وہیں آجائے گی!

کل آپ مجھ کو اپنے سے زیادہ۔ بلکہ یہ کہ میں اور آپ دونوں طوفان رست و خیز سے بچ رہے تو سچا اور بے گناہ ثابت کرنا چاہیں گے! آپ کہیں گے کہ "مذہبی تعصب اگر اڑ گیا تو قومی نفرت نے اس کی جگہ لے لی، دعوے وقعت زائل ہو گیا تو حمایت ضعیف نے اسکی جانشینی اختیار کر لی، ہوس جاہ و شوکت یا شغل ملک گیری معدوم ہو گیا تو تحفظ عزت قوم یا ایفائے وعدۂ امداد نے اسکا روپ بھر لیا۔ کچھ بھی ہو ہے وہی پرانا جذبہ جو انسان کے تقاضے سے وقت کے مناسب نت نیا بہروپ بدلتا رہتا ہے" مگر میں آپ کے اس اعتراض کا بھی جواب دونگا

اور پورے زور کے ساتھ دون گا! یہ بات کہ حق بجانب آپ ہینگے یا مین؟ محض آپ کے اور میرے نقطۂ خیال پر منحصر ہے! جو کوئی جس عینک سے دنیا کو دیکھے گا اُسے ویسا ہی نظر آئے گا!

البتہ اس قدر ابھی سے ماننے کے لیے تیار ہون کہ دنیا محض آئینہ ہے۔ ایک حسین اگر دیکھے تو اُسے سوا حسن کے اس مین کچھ نظر نہین آسکتا! اور ایک حبشی اگر دیکھے تو آپ خود جانتے ہین کہ وہ کیا دیکھ سکتا ہے؟

ناش عجیب

مطبوعہ یکم جنوری ۱۹۱۵ء

"ہاں! تو آپ آج بھی وہاں جائیں گے نا؟" نظیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا!

"جانا تو ضرور چاہیے، اس لیے کہ اُس کے بلانے پر صاف انکار کر دینا کسی قدر بد تہذیبی معلوم ہوتی ہے! لیکن یہ آپ یاد رکھیں، اب وہ مجھے اُلو نہیں بنا سکتی!" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا!

"خیر یہ تو بعد کو معلوم ہوگا کہ وہ آپ کو کیا بنا سکتی ہے اور کیا نہیں بنا سکتی......"

"نہیں! اس کا آپ یقین کیجئے" میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا، "خواہ میں پہلے اُس سے کیسے ہی خلوص، اور کیسی ہی محبت کی وجہ سے کیوں نہ ملا ہوں۔ لیکن اب اسکی عیاری دیکھ دیکھ کے مجھے اُس سے ایسی ہی نفرت ہوگئی ہے جیسی پاینیر کے قاہرہ والے نامہ نگار کو انور پاشا سے ہے!"

"مگر مجھے ڈر یہ ہے کہ اُسکی چالاکی کا علم ہو جانے پر بھی اگر تم اُس سے ملتے رہے تو عنقریب تمھاری ایسی حالت نہ ہو جائے

جیسی فی الحال بیچارے بلجیم والوں کی ہے!"

"جی نہیں! اب میں اُسکے دھوکہ میں قیامت تک نہیں آسکتا" میں نے جواب دیا!

اور واقعی مجھے یقین تھا کہ اب میں اُسکی ایک ایک بات تاڑ جاتا ہوں

مجھے واقعی اس دن پر سخت غصہ آتا تھا جب میرے ایک دوست نے مجھے

اُس سے بائیسکوپ میں ملایا تھا۔ بھلا کہاں میں میڈیکل کالج کا طالب علم!

گھر سے کوسوں دور محض حصول تعلیم کے لیے بمبئی میں مقیم: اور کہاں وہ

سرتا پا عیار، باتوں ہی باتوں میں خاتمہ کر دینے والی! یہ ضرور ہے کہ وہ

مکان جس میں میں مقیم تھا، اُس کے بنگلہ سے بہت قریب تھا؛ مگر پھر بھی

اُس ملاقات والے منحوس دن سے پیشتر میں ہزاروں دفعہ اُس بنگلہ

کے سامنے سے گزرا ہوں گا لیکن کبھی میری نظر بھی اُس طرف نہیں اُٹھی!

تعارف کا دن میری خاموش اور طالب علمی کی زندگی کے لیے ایسا ہی تھا

جیسے سراجیوہ والا واقعہ یورپ کی پرامن اور ترقی آمیز زندگی کے لیے! میں

نہیں کہہ سکتا کہ وہ رقم جو ماہوار مجھے اپنے والدین سے وصول ہوتی تھی

اب پندرہ ہی دن میں کہاں سے کہاں اُڑ جاتی تھی اور بقیہ پندرہ دن میں

کس مصیبت سے کاٹتا تھا! ضروری کتابوں، ضروری آلات، اور خدا جانے

کن کن فرضی ضروری اشیاء کے نام سے کافی رقم میں اپنے والدین کو دھوکا

دے دے کر وصول کرتا تھا اور سب اسی تعارف فتنہ انگیز کی نذر ہو جاتی!

تھی! مگر آخر کہاں تک؟ اب میرا ایمان مجھے لعنت کرتا تھا، اور مجھے والدین کو دھوکا دیتے ہوئے شرم آتی تھی! اُس میں مغرب کا خون تھا اور میری طبیعت کا رجحان لاکھ لاکھ مغربی تعلیم پر بھی مشرقی ہی تھا! یہ ظاہر ہے کہ مغرب و مشرق میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر صبح اور شام میں: ممکن ہے کہ اُسکی تمام باتیں عین تہذیب ہوں لیکن میری آنکھوں سے وہ خوشنما نظر نہیں آتی تھیں! ...... میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوب چلا تھا کہ نظیر کی آواز نے ہوشیار کر دیا: "اچھا تو بھئی! میں اب رخصت ہوتا ہوں" اُس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا "ممکن ہے کہ تم کو وہاں جانے میں دیر ہو گی"

"نہیں ابھی تو چار بجے ہیں! اس نے مجھے پانچ بجے بلایا ہے!" میں نے جواب دیا! مگر نظیر مجھ سے ہاتھ ملا کر مسکراتا ہوا، اور ایک معنی خیز نظر سے مجھے دیکھتا ہوا چلا ہی گیا!

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

میرے ڈرائنگ روم میں ملاقات کے کمرے میں پہنچتے ہی وہ گھبرائی ہوئی پہلو کے کمرے میں سے آئی! اُس کا سانس[^۱] چڑھا ہوا تھا، چہرے پہ غیر معمولی انتشار کی کیفیت نمایاں تھی، اور مجھ سے گھبرائے ہوئے لہجہ میں مخاطب تھی:

[^۱]: شاید لکھنؤ میں سانس کو مونث بولتے ہیں: اور دہلی میں مذکر: امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب میں تفریق محاورہ کے جھگڑوں میں پڑنا پسند نہ کریں گے میں ہی لکھ سکتا ہوں جو میں خود بولتا ہوں

"مجھے افسوس ہے! مسٹر عزیز میں اب آپ کے ساتھ چہل قدمی کے لیئے نہیں جا سکتی جس کے لیے میں نے آپ کو بلایا تھا! آپ کو واقعی میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی! مجھے امید ہے آپ معاف فرمائیں گے!"

میں "خیر تو ہے آخر کیا تھا ایک ہو گیا؟ کیا میں سن سکتا ہوں؟"

وہ "بڑا نقصان ہو گیا! گذشتہ سال میری چچی نے جو ایک سبز چمڑے کا بیگ مجھے دیا تھا وہ گم ہو گیا! صبح میں اُسکو لے کر بازار گئی تھی! اس وقت اُس کا پتہ نہیں ملتا! اور چچی جان آنے والی ہیں۔ اگر اُنھوں نے اپنا عطیہ میرے پاس نہ پایا تو مجھے ڈر ہے کہ آیندہ وہ میرا نام اپنے وصیت نامہ سے خارج کر دیں گی! اور اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میرا کسقدر نقصان ہو گیا! اب مجھے مطلق یاد نہیں کہ میں نے اُسے کہاں چھوڑا!"

میں "تو اب کیا کیا جائے؟" میں سمجھتا تھا کہ ایک نئے بیگ کی فرمائش ہونے والی ہے!

وہ ایک عجیب مایوسی کی شان سے "میری سمجھ میں خود کچھ نہیں آتا!" مجھے تعجب ہوا کہ اُس نے مدعائے دل کے اظہار میں ایسی تاخیر کیوں کی۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں کہہ اُٹھا "تو پھر ویسا ہی ایک بیگ نہ منگا لو؟"

وہ "نہیں! ویسا یہاں نہیں مل سکتا! خدا جانے چچی جان میرے لیے کہاں سے لائی تھیں! دوسرے ویسا ہی تلاش کرنے کے لیے وقت

درکار ہے اور وہ آج رات کو دس بجے والی گاڑی سے آرہی ہین! یہ کیسا بے سود ہے! مین سخت پریشان ہون!"

مین "تو پھر کیا کیا جائے! میری عقل خود اس معاملہ مین کام نہین کرتی"

وہ "صرف ایک تدبیر نظر آتی ہے اگر اسمین خدا کامیابی دے! مین یہ سوچتی ہون کہ جس جس راستہ سے صبح کو مین گزری ہون اور جہان جہان گئی ہون وہین اس وقت بھی گشت لگاؤن! ممکن ہے کہین نہ کہین پتہ چل جائے!"

وہ "بشرطیکہ تم نے راستہ مین پھینکا ہو اور کسی کو پا نہ گیا ہو"

مین "ہان بیشک! مگر اب سوا اسکے اور کوئی صورت نظر نہین آتی" ایک عجیب مایوسی اور پریشانی کی شان کے ساتھ اُس نے مجھ سے استدعا کی "تم اگر اس مین میری امداد کرو تو مین بہت ممنون ہونگی! کیا تم میرے ساتھ چلنے کی تکلیف گوارا کر سکتے ہو؟"

مجھے اس مین کوئی عذر نہ تھا۔ اور عذر کی ظاہرا کوئی وجہ بھی نہ تھی فرمائش نہ اُسنے کی تھی اور نہ آیندہ مین اسکی امید کرتا تھا! پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ شام کا وقت اُسکی ہمراہی مین محض چلنے پھرنے اور تلاش کے لیے صرف کر کے ایک لطف حاصل نہ کیا جاتا: مین نے بلا تامل کہا "مین تو اسی غرض سے آیا ہون کہ تمھارے ساتھ ٹہلنے جاؤن۔ باغ یا بازار

نہ سہی کوئی اور جگہ سہی۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہے"

"آہ! شکریہ! شکریہ لبسیار!!" اُسنے بیساختہ کہا اور ایک ناقابلِ بیان پھرتی کے ساتھ وہ یہ کہتی ہوئی میری نظروں سے غائب ہوگئی "مَیں کپڑے بدل لوں۔ صرف دس منٹ انتظار کیجیے اور میں آئی"

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

بہترین اور آسان طریقۂ تلاش یہ ہو سکتا تھا کہ ہم اُسی سلسلے اور اُسی ترتیب کے ساتھ ہر جگہ جاتے جہاں وہ صبح کو گئی تھی: اور یہی ہمنے کیا! فی الواقعی بیگ کوئی سوئی تو تھا ہی نہیں جس کو سڑک پر جھک جھک کر گھورنے کی ضرورت ہوئی: اس لیے راستہ خاموشی کے عالم میں کٹ گیا! پہلا نمبر تھیکری کتب فروش کی دوکان کا تھا جہاں پہنچکر میز کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے مجھے بتایا کہ وہ صبح کو اسی میز کے پاس ناول پسند کرنے کے لیے کھڑی رہی تھی اور غالباً بیگ میز پر رکھدیا تھا! ہماری آپس کی گفتگو نے ایک نوجوان ملازم دوکان کو متوجہ کیا جو دور سے ہماری گفتگو ایک خاص توجہ کے ساتھ سن رہا تھا! وہ یہ کہتا ہوا آگے آیا "کیا آپ کسی بیگ کی تلاش میں ہیں! مجھے ایک بیگ اس میز پر ملا تھا جو میں نے منیجر کو دیدیا ہے! آپ انتظار کریں میں ابھی لاتا ہوں! غالباً وہ آپ ہی کا بیگ ہوگا!"

میرے خیال میں قیصر جرمنی کو آغاز جنگ کے زمانہ میں اپنی فوجوں

کے پیرس اور وارسا کے روز بروز قریب تر ہوتے جانے سے ایسی ہی خوشی

ہوتی ہوگی جیسی اُس وقت اس جان ڈال دینے والی خبر سے ہم دونوں

کو ہوئی! جس طرح قیصر کو ہر ہفتہ میں پیرس میں ناشتہ کرنے اور وارسا

میں عشا کھانے کی امید قوی تھی اسی طرح ہم دونوں کو بھی ہر منٹ

میں اُس گم شدہ بیگ کے مل جانے کا یقین تھا! "الانتظار اشد

من الموت" کا تھوڑا بہت ذائقہ ان چند لمحوں میں اچھی طرح حاصل

ہوگیا! وہ نہایت مسرت آمیز لہجہ اور تبسم نما چشم ولب کے ساتھ بولی۔

"دیکھنا یہ شخص کس قدر میرے خالہ زاد بھائی سے ملتا جلتا ہے! بالکل

وہی قد! وہی چال؛ وہی دلکش گفتگو! کیسی بھولی ..... شکل پائی ہے

میں نے خدا ہی جانے آتش رقابت کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے

کہا "اور اُسکے کپڑے کیسے ذلیل ہیں"

وہ "مگر لباس سے کیا ہوتا ہے۔ انسان کی طینت اچھی ہونی

چاہیے؛ ظاہر داری نمائش کو میں کچھ نہیں سمجھتی!"

میں۔ (تعجب کے ساتھ) "اگر واقعی تمہاری یہ رائے ہے تو مجھے ڈر ہے

کہ تمہارے بہت سے دوستوں کا نام فہرست تعارف سے خارج ہو

جائے گا! اور اس کو تم شاید مشکل سے ....."

میں فقرہ ختم نہیں کر چکا تھا کہ نوجوان ملازم ایک بیگ لیے ہوئے
سامنے موجود تھا جس کو دیکھتے ہی اُس نے بیساختہ کہا "نہیں! یہ میرا
نہیں ہے! میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ وہ سبز چمڑے کا ہے؟ یہ تو کالا ہے!"

نوجوان "مجھے افسوس ہے کہ یہ آپ کا نہیں ہے"

وہ "مگر ممکن ہے کہ تم نے غلطی کی ہو! میں سمجھتی ہوں تم سے سہو ہوا!"

نوجوان (بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے نیچی نظروں سے) "سوا
اس بیگ کے اور کوئی نہیں ہے! مجھے اچھی طرح معلوم ہے! یہ ہی وہ
بیگ ہے جو صبح کو میز پر رکھا ہوا پایا تھا!"

یہ جواب بجائے خود کیسا ہی مہذب اور برمحل کیوں نہ ہو لیکن
ایسی نوزائیدہ امید کے دل میں اُسکو۔ اور اُسکی وجہ سے مجھ کو۔
کسی قدر درشت اور دل شکن معلوم ہوا! پہلی امید منقطع ہوتے ہی ہم
دونوں دوکان سے باہر تھے اور کچھ قدم چلتے ہی اُس نے مجھسے کہا۔
"یہ شخص کسقدر غیر مہذب اور بیہودہ ہے! میں نے اسکو اپنے خالہ زاد بھائی
کا ہمشکل بتانے میں سخت غلطی کھائی! قطعی بھی میرے بھائی کی شکل نہیں ہے!
نہایت بدنما چہرہ! درشت آواز! بے ہنگم چال! نہایت وحشی ہے!"

تھوڑی ہی دیر میں ایک شخص کی نسبت ایسی دو متضاد رایوں
کا اظہار میرے لیے کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا! وہ محض اپنی ناکامی کی وجہ

سے ایسی پلٹ گئی جیسے کسی اخبار کا نامہ نگار ایک بڑے شہر کے
ناقابلِ تسخیر قلعوں اور استحکامات کی نسبت فتح ہونے ہی دوسری زبان
اختیار کر لیتا ہے! واقعی وہ پکی یوروپین تھی! افسوس ہے کہ مجھے علم
زمانہ سازی سے مطلق لگاؤ نہیں! اور طرہ یہ کہ سخن سازی کے فن
میں بھی محض کورا ہوں!

ٹھیکری کی دوکان سے نکل کر چند اور دوکانوں کی خانہ تلاشی اور
کئی سڑکوں کی پیمائش کے بعد سب سے آخری نمبر وائٹ آوے کی دوکان
کا تھا!

یہاں وہ کچھ بیلیں خریدنے آئی تھی اور بیلوں، ٹوپیوں وغیرہ کا
سامان دوکان کی تیسری منزل پر تھا! اس لیے اب بھی ہم کو اُسی
حصہ میں جانا تھا! لفٹ (افسوس ہے کہ مجھے اس کے لیے اردو کا
کوئی لفظ یاد نہیں) کے بدولت ہم دونوں چشم زدن میں اوپر تھے! اُس
نے وہاں پہنچکر اُس حصہ کی نگران ملازمہ سے دریافت کیا کہ کوئی بیگ
سبز رنگ کا تو انکو نہیں پایا۔ اسکے جواب میں ملازمہ نے اپنی لاعلمی
ظاہر کرتے ہوئے ہم سے انتظار کرنے کی استدعا کی اور چپراسی کو منیجر
سے دریافت کرنے کے لیے بھیجا! میں تو۔ جہاں تک مجھے خیال ہے اپنی
جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ لیکن وہ جو غلطی چلبلاہٹ کی وجہ سے بغیر کسی

خاص مجبوری کے نچلا بیٹھنا قریب قریب گناہ کے سمجھتی تھی چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے ٹہلنے لگی! ملازمہ یا تو اس کی فطرت سے واقف ہوگی، یا شاید ہر ایسی متجسس نگاہ کو تاڑ جانے کا ملکہ اُسے کافی ہوگا بہر حال کسی وجہ سے ملازمہ نے اُس سے کہا "اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو چند ٹوپیاں دکھاؤں! نہایت عمدہ! اسی ہفتہ کے جہاز سے وصول ہوئی ہیں! آخرین طرز کی! بالکل انوکھی!"

"ضرور! بڑی خوشی کے ساتھ" اُس نے جواب دیا۔

ملازمہ نے ایک الماری کے پاس جاکر ایک آسمانی رنگ کی ٹوپی جسپر کالے فیتہ کی خوبصورت گلاب نابندش بندھی ہوئی تھی، دکھائی! ٹوپی کو ہاتھ میں لیتے ہوئے اُس نے اپنی ٹوپی اتار کر میز پر رکھی اور اس نئی ٹوپی کو زیب سر کرکے سامنے والے قدآدم آئینہ میں اُسکی خوبصورتی کا یا یوں کہیے کہ اُسکے زیب سر ہونے کی صورت میں اپنی دلآویزی کا - اندازہ کرنے لگی! وہ آئینہ تو خیر اسی لیے مخصوص تھا کہ ذاتِ تعمیر میں ہزاروں خریداروں کے ساتھ ہر ایک کی منہ دیکھی کہے، مگر سچ یہ ہے کہ اُس ٹوپی سے جس قدر فسون سازی چشم و ابرو میں اضافہ ہوگیا اُسکا احساس میری آنکھوں کو غالباً سادہ لوح آئینہ سے پیشتر ہو چکا تھا! ابھی وہ اس ٹوپی کے سر چڑھ کر بولنے والے جادو کا آئینہ میں پوری طرح اندازہ بھی نہیں کر چکی

تھی کہ خادمہ نے ایک اور سرخ رنگ کی مخروطی ٹوپی جسپر ایک طرف
کنارے کے پاس کاسنی رنگ کا مہین کپڑا لگا ہوا لٹک رہا تھا نکالی
اور یہ کہتے ہوئے کہ وہ اسکو دیکھیے۔ کیسی اچھوتی، نفیس، اور انوکھی چیز
ہے یہ اسکے ہاتھ میں دی! مجھے واقعی پہلی نظر میں وہ ٹوپی خوشنما ہونے
کے بجائے مضحکہ انگیز معلوم ہوتی تھی، لیکن ایک حسین شے سر چڑھتے
ہی میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا نظر آنے لگی! گورے رنگ کے دلکش نقشہ
پہ سرخ ریشمیں ٹوپی اور پھر شانے پر۔ جادرہ والے عامہ کے شملہ کی طرح
کاسنی ریشمیں کپڑے کا ہوا میں لہرانا غضب تھا، قیامت تھا، کچھ ایسی
چیز تھا جسکی تشبیہ میرے دماغ میں نظر نہیں آتی! میں کچھ نہیں کہہ سکتا
کہ اسنے آئینہ میں کیا دیکھا۔ خود بخود میرے دماغ میں یہ شعر گردش کر رہا تھا

"او آئینہ میں دیکھنے والے جمال کے اچھے سے سامنا ہی ذرا دیکھ بھال کے"

اس نے طرح طرح سے اُس ٹوپی کو دیکھا۔ پہلو بہلو سے اپنی شان دلربائی
کو جانچا اور ایک تبسم صبر سوز کے ساتھ مجھ سے خطاب کیا "کیا آپ بتا
سکتے ہیں ان دونوں میں سے کون سی زیادہ اچھی ہے"
میں محو حیرت۔ نہیں نہیں۔ محو کرشمہ دلستانی تھا، بے اختیار میری
زبان سے نکلا "تم کو ایک سے ایک اچھی معلوم ہوتی ہے! میں حیرت زدہ
ہوں کہ کس کو ترجیح دوں!"

وہ۔ (ملازمہ سے) "بہتر ہوگا کہ آپ میرا پتہ لے لیں اور دونوں ٹوپیاں دیدیں۔ جو مجھے پسند آئے گی وہ رکھ لونگی۔ دوسری کل صبح کو واپس کردونگی۔ آپ کل صبح کو آدمی بھیجیں!"

اب مجھے معلوم ہوا کہ میں نے جواب دینے میں عجلت سے کام لیا: اب میں سمجھا کہ وہ ایک چھوڑ دو دو ٹوپیاں خریدنی چاہتی ہے! لیکن ٹوپیاں بکس میں رکھی جارہی تھیں، اور آرڈر بک۔ یا فرمائش وخرید کی کتاب۔ پر وہ اپنا پتہ لکھ رہی تھی! تاہم میں کہہ ہی اٹھا "میرے خیال میں تمھارے پاس کافی سے زیادہ ٹوپیاں موجود ہیں!"

وہ تو لکھنے میں برابر مصروف تھی ہی اس لیے میرے الفاظ اسکی قوت سامعہ پر ایسا اثر نہ ڈال سکے کہ اُسکی قوت نطق میں ہیجان ہوتا مگر ملازمہ کی آنکھوں نے دو نہایت حقارت میں ڈوبی ہوئی نظریں مجھپر ڈالیں! میں خاموش تھا اور قصہ زمیں برسرِ زمیں! تاہم مجھے اسقدر اطمینان ضرور تھا کہ وہ اسوقت قیمت ادا نہیں کرنی چاہتی؛ اور بعد میں اگر مجھ سے مانگے گی تو جواب بھی صاف پائے گی! وہ خود لے جا رہی ہے اور خود اپنا پتہ دے رہی ہے لہذا خود ہی ذمہ دار ہے! کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ چپراسی منیجر کے پاس سے واپس آگیا اور یہاں بھی گم شدہ بیگ نہ ملنا تھا نہ ملا!

اب ہم وائٹ آوے کی دوکان سے خالی ہاتھ نہیں بلکہ ٹوپیوں کا پارسل لیے ہوئے نکلے! راستہ اُسی گم شدہ بیگ کی یادیں، اور بچی جان کے خوف میں کٹا! یہاں سے سیدھا بنگلہ واپس آنا تھا، لہذا اور کسی دوکان میں جھانکنے کی خدا کے فضل سے ضرورت نہیں ہوئی! خالی ہاتھ گئے تھے لیکن بہ یک پارسل واپس آئے! بنگلہ میں پہنچتے ہی اُس نے مجھ سے کہا "اب ہماری کوشش ختم ہو گئی! میری بدقسمتی میں اب کوئی کلام نہیں" میں۔ (اُسکو افسردہ دیکھ کے) "نہیں میرا خیال ہے کہ اب بھی شاید مل جائے! ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم بنگلہ میں واپس آکر کس کمرے میں گئی تھیں۔ کہاں کہاں بیٹھی تھیں؟"

وہ۔ (مایوسی کے ساتھ) "اس سے کیا فائدہ؟ میں پہلے ہی بڑے کمرے میں تلاش کر چکی ہوں"

میں "نہیں! جب ہم ہر جگہ ہو آئے تو بنگلہ میں بھی جہاں جہاں تم صبح کو واپس آکر گئی تھیں ضرور جانا چاہیئے۔ مجھے پورا کھوج کا سلسلہ ختم کر لینے دو۔ پھر میں اپنی رائے پلٹوں گا!"

وہ "میں بڑے کمرے میں گئی تھی۔ (کچھ سوچ کر) نہیں۔ پہلے میں سونے کے کمرے میں گئی تھی اور وہاں سے فوراً بڑے کمرے میں آ گئی تھی....."

میں نے "اچھا تو اب ہمکو پہلے اُسی کمرے میں چلنا چاہیے"
وہ سونے کے کمرے کی طرف چلی۔ میں اُس سے دو قدم پیچھے تھا۔
کواڑ کھولتے ہی وہ مجھ سے پہلے کمرے کے اندر داخل ہو چکی تھی، اور
جوں ہی میں اندر گھسا کہ وہ انتہائے مسرت سے چیختی ہوئی میری
طرف دوڑی "آہا! بیگ! بیگ تو وہ پلنگ پر رکھا ہے!!" اور واقعی
وہ پلنگ پر رکھا ہوا مجھے بھی نظر آرہا تھا! اُس نے عجیب شان
دلربائی کے ساتھ۔ جس میں مسرت اور اُس سے بھی زیادہ شوخی
چھلک رہی تھی میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "آہ۔ شریر
آدمی! تم نہایت شریر ہو! تم نے پہلے ہی یہ رائے کیوں نہ دی؟ کیوں
اس قدر پریشان کیا؟"
اب اُس نے دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈال دیئے تھے اُسکے
نازک لب میرے منھ کے قریب تر ہوتے جاتے تھے "بتاؤ اس تکلیف اور
پریشانی کی تم کو کیا سزا دی جائے؟" اُس نے پوچھا! اور ساتھ ہی میرے
ہونٹھوں نے ایک ایسی بیش بہا چیز سے لمس کیا کہ جس کا اثر دل سے
دماغ تک بجلی کی طرح دوڑ گیا!
واقعی میں نے پہلے اسکو یہ صلاح نہیں دی تھی! اگر یہ خطا باعث
کوچہ گردی سمجھی جائے تو میں اسکا مجرم تھا۔ میں نے بخوشی کہا "جواب

کا جی چاہے "!

جو اُسکا جی چاہا اُس نے سزا دی اور میں نے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ انتہائے مسرت کے ساتھ یا تسلیم و رضا جوئی کے رنگ میں سر اطاعت خم کردیا!

⚜ ⚜ ⚜ ⚜ ⚜ ⚜ ⚜

دوسرے روز واقعی مجھے نظیر کے ہنسنے پر سخت غصہ آرہا تھا! وائٹ آوے کا بل ابھی میں نے کل والی دونوں ٹوپیوں کی نسبت ادا کیا تھا، اور میں اسی پر برہم تھا کہ اسنے بل میرے نام کیوں بھیجا؟ پھر ایسے وقت نظیر کا یہ کہہ کر ہنسنا کہ " اُسنے اپنے بجائے تمہارا ہی نام اور پتہ دیا ہوگا " اور زیادہ مجھے چڑچڑا بنائے دیتا تھا! میں واقعی اپنے بے وقوف ہونے میں اب مطلق بھی شک نہیں کرتا!

نرگس خود پرست

مطبوعہ یکم جون ۱۹۱۵ء

(۱)

آسمان و زمین کا، بحر و بر کا، حصہ بخرہ زیس[1] (Zeus) اور اسکے دونوں بھائیوں میں ہو چکا! دنیائے زیس اپنی دلفریب شاعری و تخیل کے ساتھ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے:

---

[1] لکھنے والے لکھتے ہیں کہ خدایان یونان میں جنگ و جدل ہوئی اور بڑی خوں ریزی ہو چکی تو آخر میں (Zeus) زیس - جس کا دوسرا نام (Jove) بھی ہے تمام خداؤں میں قوی ترین اور عظیم الشان تسلیم کر لیا گیا! اس نے انتظام خدائی کی بنیاد ڈالتے وقت موجودات کے بیشمار حصے کیے اور ہر خدا کو ایک حصہ کی خدائی تفویض کر دی چنانچہ خود خدائے زمین و آسمان بنا، اپنے ایک بھائی (Poseidon) پوسیڈن کو خدائے بحر بنایا، اور دوسرے بھائی (Pluto) پلوٹو کو خدائے تحت الثریٰ مقرر کیا وغیرہ وغیرہ (جوش)

پرومیتھیس کی جدت کی بدولت مرد اور ایپی میتھیس کی عنایت سے عورت وجود میں آچکی ہے!

لہ خدائے زمین سے باغی ہونے والوں میں سے ایک پرومیتھیس بھی تھا اس نے مٹی سے ایک پتلا خدا کے نمونہ پر تیار کیا اور اس میں تمام حیوانوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ طاقتیں اکھٹی کیں۔ یہی پتلا وجود میں آکر مرد کہلایا گویا مرد کی تخلیق پرومیتھیس (Prometheus) یا بزبان دیگر، خیال ماقبل کے بدولت ہوئی! اسکے ساتھ ہی پرومیتھیس آسمان سے آگ کو ایک نے میں چھپا کر لایا اور وہ بھی مرد کو عنایت کر دی جسکی وجہ سے مرد کی طاقت اور زیادہ بڑھ گئی! خدائے زمین کو اسپر غصہ آنا لازمی تھا کہ ایک خاکی پتلا خدا کے نمونہ پر وجود میں آئے چنانچہ پرومیتھیس اس قصور کی سزا میں کوہ قاف کی ایک چٹان سے باندھ دیا گیا۔ اور ایک عقاب متعین کر دیا گیا کہ اُسکے کلیجہ کو نوچ نوچ کر ابدالآباد تک کھاتا رہے (جوش)

لہ اس مغرور مرد کو بھی تھوڑی سی سزا دینی یا اسکی گردن میں طوق لعنت ڈالنا ضروری تھا چنانچہ وہ طوق لعنت ایپی میتھیس کے ہاتھ سے عورت کی شکل میں وجود میں آیا! یعنی عورت کی تخلیق ایپی میتھیس (Epimetheus) یا ہماری زبان میں خیال مابعد کے ذریعہ سے ہوئی اور اس لیے ہوئی کہ مرد کو اپنا گرویدہ بنا کر ہزاروں مصیبتوں اور جھگڑوں کا شکار کر دے تاکہ مرد آزادہ کر خدا سے لاف ہمسری نہ مارنے لگے (جوش)

وہ دنیا اور وہ زمین ہے جو گول اور چپٹی تھالی کی صورت میں اٹلس
(Atlas) کے کندھے پر ٹکی ہوئی ہے۔ جسکی چاروں طرف مدور شکل
میں دریائے اوشنیس (Oceanus) حد بندی کرتا ہے۔ جسکی خشکی
شرقی جانب ہرکلیز کے ستونوں پر ختم ہو جاتی ہے اور مغربی جانب
سلسلہ کوہ قاف جسکی ایک چٹان سے پرومیتھیس بندھا ہوا ہے دیوار
کی صورت میں حد مغربی بنا کھڑا ہے۔ اور جسکی نسل انسانی ڈیوکیلین[۵]

[۵] خدائے زیس سے باغی ہونے والوں میں ایک ٹائیفن (Typhon) بھی تھا
جسکی امداد پورے طور پر اٹلس نے کی تھی۔ ٹائیفن کو خدائے زیس نے کوہ اٹینا کے
قید خانۂ آتشین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید کر دیا اور اٹلس کو یہ سزا دی کہ دنیا کو
اٹھا کر اُسکے کندھے پر رکھدیا تاکہ مطلق بھی نہ کھسک سکے اور اس بھاری پتھر کے بوجھ سے
ہمیشہ پچکا کھڑا رہے۔ (جوش)

[۶] یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ قریب قریب ہر مذہب میں طوفان نوح کی طرح ایک عالمگیر طوفان کا تذکرہ کچھ
ملتے جلتے واقعات کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ یونان کے مذہب قدیم میں بھی ایک عالمگیر طوفان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔
اس طوفان میں تمام دنیا کچھ عرصہ کے لیے تہ آب ہو گئی تھی اور تمام مخلوقات ڈوب گئی تھی۔ طوفان کی وجہ خدا کے انتقام و
عتاب بیان کیا جاتا ہے اور بچنے والے صرف دو دم تھے۔ ایک مرد جسکا نام ڈیوکیلین تھا اور دوسری عورت جسکا نام پیرا
یا پائرا (Pyrrha) تھا۔ ڈیوکیلین Deucalion پرومیتھیس کا لڑکا تھا اور پیرا
اپی میتھیس کی لڑکی تھی۔ گویا اس عالمگیر طوفان کے بعد نسل انسان انہی دونوں کی بدولت زمین پر پھیلی۔ (جوش)

(Deucalion) اور پیرا (Pyrrha) کی اولاد ہے! وہ زمانہ وہ وقت ہے جبکہ دریا اور چشمے اپنی پر زور رفتار دلکش کے ساتھ تمام سرسبز زمین پر جال کی طرح پھیلے ہوئے ہیں، جبکہ درخت اور بیلیں اپنی پوری نشا و الی کے ساتھ لہلہا رہی ہیں، جبکہ آسمان اپنے دلفریب تاروں کے جواہرات کا خزانہ ہر دیکھنے والے کے لیے مفت نذر کرنے کو تیار ہے، جبکہ خداؤں کا تعلق دنیا سے ظاہرا طور پر موجود ہے، اور جبکہ انسان کی تعریف حیوان ناطق نہیں ہے بلکہ محض حیوان گویا ہے! وہ دیکھتا ہے، سنتا ہے، سمجھتا ہے، بولتا ہے، مگر منطقی نہیں ہے! قوی الجثہ ہے، دھن کا پکا ہے، دل کا مضبوط ہے، سادہ لوح ہے، خوبصورت ہے، اور محبت کے جذبہ سے لبالب بھرا ہے! ایسا انسان ہے جو ایسی دنیا پر آباد ہے اور قدرت کی بیشمار دلچسپیوں کا حظ اٹھاتا، جنگلوں اور پہاڑوں پر، دریاؤں اور سمندروں کے کنارے حسن کا متلاشی ہے؛ فطرت کی ہر چیز بڑے سچے دل اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے؛ نفرت یا محبت جو کچھ کرتا ہے کھلم کھلا اور ڈنکے کی چوٹ کرتا ہے! مختصر یہ کہ وہ چہ میگوئی اور چون و چرا سے ناواقف ہی نہیں متنفر ہے!

وہ دن بھی سفیسس[1] (Cephisus) کے گھر میں ایک عجیب

---

[1] سفیسس خدائے دریا تھا اور اس کے ہاں عرصہ تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ (جوش)

دن تھا جبکہ اُسکے ہاں ایک چاند سا لڑکا پیدا ہوا۔ لکھنے والے لکھتے ہیں کہ
سفیس کی بیوی اس نوزائیدہ لال کی شکل دیکھتے ہی اِمتا کے جذبے سے
سرشار ہو گئی! اُس نے ایسا لڑکا اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا تھا! اسکو
ڈر تھا کہ اسکو کسی کی نظر نہ لگ جائے! وہ خائف تھی کہ اسکو کوئی اُٹھا نہ
لیجائے! لاکھ لاکھ سمجھانے پر بھی اِمتا کا ارادن نہ ماننے والا تقاضا مانا! اس
نے ٹائرسیس[1] سے اس لڑکے کی عمر کی نسبت دریافت کرنا چاہا اور سوال
کیا کہ "کیا یہ بچہ بڑھاپے کی حد تک پہنچے گا؟"
"ہاں بشرطیکہ اس نے اُس زمانہ کے آغاز تک اپنے کو نہ جانا!" یہ وہ
الفاظ تھے جو ٹائرسیس کی زبان سے جواب میں نکلے!

(۲)

اپولو[2] (Apollo) تمام دن حسبِ معمول۔ اپنے شیروں کی چوکڑی کا

[1] ٹائرسیس (Tiresias) اُس زمانہ کا مشہور عالم پیشین گو تھا۔ یہ اندھا تھا اور
اسکی کوئی پیشین گوئی کبھی غلط نہیں نکلی۔ اسی وجہ سے یونانی توہمات کے موافق وہ
پیغمبر سمجھا جاتا تھا۔ (جوش)

[2] اپولو جس کا زیادہ مشہور یونانی نام فوبس اپولو (Phoebus Apollo) ہے۔
خدائے زیس کا لڑکا ہے جو اُسکی بیوی لیٹو (Leto or Latona) کے بطن
تھا! زیس کی بڑی ملکہ ہیرا (Hera) کی سوکن کا (دربانی حاشیہ ز صفحہ ۱۳۲)

سوار روزانہ اس پرواز تخیل دنیا کا طواف کرتا تھا: سیلین (Selene)
اسکی بہن تمام رات اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں دنیا پر ڈورے ڈالا کرتی تھی:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) جلاپا بہت ہے۔ اور زیس کی معشوق نوازی کی عادت نہیں جاتی
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہیرا اُسکی ہر معشوقہ کی جانی دشمن ہو جاتی ہے، چنانچہ لیٹو بھی ہیرا
کے دست تظلم سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں چھپتی پھری اور آخر کار ڈیلوس (Delos)
میں پہنچتی ہے اور وہان اُسکے بطن سے دو جڑوان لڑکے اور لڑکی پیدا ہوتے ہین
لڑکا اپولو ہے اور لڑکی آرٹمیس (Artemis) ہے! اپولو آب حیات پیتے ہی
فوراً جوان ہو جاتا ہے اور ایسا طاقتور ہو جاتا ہے کہ اپنی گاڑی مین چار شیر جوڑ
کر روزانہ خلد برین کے چکر کاٹتا ہے۔ یہی بعد مین یونانی تخیل کے موافق خدائے
آفتاب ہو گیا! اور اسکی بہن سیلین (Selene) ماہتاب کہلائی! قصہ
تو بہت بڑا ہے مگر اسکا دنیاوی وطن دریافت کرنے کے لیے اسقدر اور بتانا
ضروری ہے کہ جسوقت دنیا کی تقسیم خداؤن کے درمیان ہوئی تو اپولو موجود نہ
تھا چنانچہ اُسے کچھ نہ مل سکا۔ بعد مین جب اُسنے زیس سے التجا کی تو جزیرہ روڈس
(Rhodes) کے آتش فشان پہاڑ اُسکے حصہ مین آئے۔ وہان اسکا ایک
عجیب وغریب مجسمہ بھی تھا جو پرانی دنیا کے عجائبات مین سے تھا مگر زلزلون
سے تباہ ہو گیا! سیلین (Selene) اُسکی بہن کو اپنے بھائی سے بہت محبت ہے، اور جب اسے نہین
دیکھتی تو چھپ جاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ اسکی گاڑی مین چار بیل طلائی جُتے ہوئے ہین! الغرض یہ تخیل کسقدر بانکا اور معنی خیز (اور) دلکش

اسکولیپیس (Aesculapius) اُسکا لڑکا۔ اور ہائی جیا (Hygeia)
اُسکی پوتی اپنے آبائی اثر سے دنیا کو تندرست وطاقتور بنائے جاتے تھے
اور سفیس کا لڑکا مع تو، نارسیس (Narcissus) یا ہماری زبان میں ۔
نرگس۔ زمانہ کی رفتار کے ساتھ بڑھتا اور پرورش پاتا جاتا تھا!

نرگس (ہمیں اسکا یہی نام زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے) اپنے حسن عالم
سوز کے بدولت چشمۂ شیرین سے بدرجہا زائد۔ مرجع خلائق ہوچلا تھا!
تمام قوت بینائی رکھنے والی مخلوق اُسکی شمع حسن پر پروانہ وار نثار ہوتی
رہتی تھی! نوجوان اچھوتیاں حُسن کی دیوانیاں، خوبصورتی کی جیتی جاگتی
تصویریں، اسکی ایک نظر دلفریب کے لیے سایہ کی طرح اسکے آگے پیچھے
پھرتی تھیں! مگر نرگس؟ وہ جیسا حسن لایا تھا اُس سے زیادہ بلند دماغ

لہ یہ آج کل تو متفقہ ہے کہ صحت کا دار مدار سورج پر ہے اور تمام دنیا کی دوائیں
اسی کی شعاعوں کا اثر لیکر بڑھتی ہیں! لیکن قابل مدح تھے پرانے یونانی جنھوں نے
اپنے تخیل میں اسکیولیپیس (Aesculapius) کو اپولو کا۔ یعنی آفتاب کا۔ لڑکا بتایا
ہے اور یہ حکیموں اور ڈاکٹروں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے! خدائے زیس اس سے اسوجہ
سے ناراض ہوگیا کہ یہ اسکے معتوب مریضوں کو اچھا کردیتا تھا چنانچہ اُسے قتل کردیا گیا!
مگر اُسنے اپنے بعد ایک لڑکی ہائی جیا (Hygeia) چھوڑی جو باپ کا اثر لیے ہوئے حفظ صحت کی جانی
یہ دونوں نام دوا و حکمت میں اب تک موجود ہیں! دراصل یونانی تخیل محض صداقت نہیں تھا ملکہ تھا حکیمانہ تھا!
(جوش)

لا یا تھا! کوئی صورت اسکو دلفریب نظر نہ آتی تھی، کوئی حسین اسکو قابل محبت نہ جچتی تھی، اور کوئی عشوہ ساز کمسن - اپنی تمام دلربا یانہ اندازِ واداکے استعمال پر بھی - اسکو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی تھی!

وہ حدِ شباب کی پہلی منزل مین قدم رکھ چکا تھا! گلِ بلوغ زمانہ کی منقلب ہوا کے اثر سے کھل چکا تھا! اور آنکھون مین خون کی مہین تحریریں یا ڈورے - گہرے ہوتے جاتے تھے! چارون طرف سے شرمیلی اور دزدیدہ نظرین اسپر پڑتی تھین، ہونٹون ہی ہونٹون مین ٹھنڈے سانس اُسکے سامنے لیے جاتے تھے، اور للچائے ہوے چشم وابرو اکثر بیشتر اسکی نگاہ سے دوچار ہوجاتے تھے! وہ سب کچھ دیکھتا تھا: مگر اُسکا مغرور دل ان تمام باتون کو اپنے حسن لاثانی کا جائز حق سمجھتا تھا، تمام حسین اچھوتیوں کو اپنا باجگذار سمجھتا تھا، تمام آنکھونکو اپنا منت کش حسن جانتا تھا، تمام دلون کو اپنا لبِ تشنۂ محبت گردانتا تھا! کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان باتوں کی - جبکہ وہ بارگاہِ حسن کی فیاضی کے بدولت فطرتاً مستحق تھا - مطلق بھی پروا کرتا! اُسکا دماغ جیسی بیمثال شکل کا متلاشی تھا وہ اسوقت تک اُسکو نظر نہین آئی تھی - یہ ایک ایسا مکمل تخیل تھا جس نے ہیولی کی شکل اُسکی آنکھون کے سامنے ابھی نہین لی تھی!

راوی کا بیان ہے - اور جھوٹ سچ کا وہ خود ہی ذمہ دار ہے کہ اُسی زمانہ مین حسینانِ صحرا (Wood-nymphs) مین سے ایک

اُٹھتی جوانی والی، ہر بات میں اپنی ہمجولیوں سے ممتاز تھی! عمر اسی قدر تھی
جس قدر کہ نسیم سحر سے عنقریب کھلنے والی کلی کی صبح کاذب کے وقت
ہوتی ہے! صورت ویسی ہی تھی جیسی کہ رشکِ ماہ نیم ماہ کہلائی جاسکے!
چال ایسی ہی تھی جیسی کہ آپ نے سنی ہو کہ ہر ہر قدم پر فتنۂ محشر کو جگا دیتی ہو!
اور طبیعت بالکل ویسی ہی تھی جیسی ایک تمثیل حسین کی اپنے حسن کا اثر
دیکھنے کے لیے بے چین ہوتی ہے! یہ سب کچھ تو تھا لیکن ملکۂ عالم Hera
کے حسد نے ایسی قیامت کی بیٹی کو نطق سے محروم کر دیا تھا! اور اسکو یہ سزا
دی گئی تھی کہ وہ خود کسی سے ہمکلام نہیں ہو سکتی۔ گفتگو کے آغاز کے لیے
پیش کلامی نہیں کر سکتی تھی، اور صرف کسی کے پہلے بولنے پر جواب دے
سکتی تھی! اسکا نام (Echo) بازگشت تھا! صدا کا مسکن جنگل
تھا اور مشرب تجسس محبت تھا!

کہا جا چکا ہے کہ نرگس اپنے زمانہ کی کم سن حسینوں سے کنارہ کش رہتا
تھا، اور انکی محبت اُسے ہمیشہ شاق گزرتی تھی! اپنی معشوقہ تصور کی تلاش اُسے
بھی تھی۔ اس لیے اکثر آبادی سے گریزاں، اور جنگل میں سرگرداں رہا کرتا
تھا! ایک روز کا ذکر ہے کہ اسی دُھن میں ڈوبا ہوا جنگل میں بلا کسی خاص
ارادہ کے منہ اُٹھائے ایک طرف چلا جا رہا تھا کہ صدا نے اسکی شکل دیکھ لی۔ وہیں کیوپڈ[1]

[1] کیوپڈ Cupid، خدائے عشق ہے۔ بھولا بھالا نوجوان ہے (دیکھو حاشیہ صفحہ ۱۳۶)

(Cupid) کا تیر اس کے جگر میں ترازو ہوگیا! وہ جنگل کے درختوں کی آڑ پکڑ کر سایہ کی طرح اُس کے ساتھ ہولی! وہ چاہتی تھی کہ نرگس اسکی طرف متوجہ ہو، اُسے پکارے اُس سے بولے، اور وہ جواب میں اُسکے سامنے ظاہر ہوسکے! مگر نرگس اپنے خیال میں غرق، اپنے دماغی معشوق کے تصور میں ڈوبا ہوا، برابر چلا جارہا تھا! قاعدہ ہے کہ دل کی بیچینی حواس خمسہ کے استعمال مسرت بخش سے کسی قدر دور ہوجاتی ہے، اور حواس خمسہ کو کوئی تکلیف ہو تو دل کی شادمانی سے اُس میں تخفیف ہوجاتی ہے! ہر مریض دل اپنے آزار باطنی کا علاج حواس خمسہ کے استعمال سے کرنا چاہتا ہے: وہ اچھی صورت دیکھکر قوت بینائی کے ذریعہ سے سکون حاصل کرتا ہے، وہ بھینی بھینی خوشبو سونگھکر قوت شامہ کے بدولت مسرت پاتا ہے: وہ کسی نہ کسی طرح اپنے حواس خمسہ کے سرور انگیز استعمال سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ١٣٥) خوبصورت ہے، اُسکے دو پر ہیں اور تیر و کمان اوس کا مشغلۂ دلچسپی ہے، جسکے دل پر تیر مارد ے وہی عشق کا متوالا ہوجاتا ہے! مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آنکھوں سے اندھا ہے اور بلا اچھائی برائی کو دیکھے تیر چلا دیتا ہے عشق اسی وجہ سے منطق اور بینائی سے مبرا ہے! مگر خود بھی عشق سے نہ بچ سکا اور Psyche (سائیکی) کا شکار ہو ہی گیا جو اُسکی معشوقۂ دلنواز ہے یا خود اسی کے تیر کا نشانہ ہوجانے سے اسکی عاشق جان نثار ہے! یہ قصہ بھی نہایت دلچسپ، معنی خیز اور لطیف ہے مگر طویل زیادہ ہے اسلئے بیان چھوڑ دیا جاتا ہے (جوش)

تھوڑی دیر کے لیے اضطراب دل کم کرنے کی کوشش کرتا ہے! نرگس
بھی اسی کلیہ کے تابع ہو کر نیچر کے دلکش نظاروں میں اکثر سکون قلب حاصل
کر لیتا تھا۔ اور پھولوں کی خوشبو، شب ماہ کا اثر، سرسبز زمین کی نظر فریبی
اُسے متوالا بنا دیتی تھی!

نرگس جاتے جاتے، ایک دل فریب چشمہ کے کنارے ٹھہر جاتا ہے
اور صدا اسکے ساتھ ساتھ اسکی نظروں سے پوشیدہ۔ درختوں کے جھنڈ میں
چھپی کھڑی رہتی ہے! نرگس چشمہ کے نظر فریب نظارہ کی طرف متوجہ ہی
ہوا تھا کہ ہوا سے پتوں میں غیر معمولی سرسراہٹ پیدا ہوئی! اس نے
چاروں طرف دیکھکر کہا "کون ہے"؟

فوراً درختوں کے جھنڈ میں سے صدا آئی "یہ ہے"!

"پھر سامنے آنے میں کس کا ڈر ہے"؟... نرگس نے چہرہ بلا
دیکھے کہا۔

"ڈر ہے!" پھر اُسی جھنڈ میں سے صدا آئی۔

"یہاں آؤ!" اس مرتبہ نرگس نے تعجب کے ساتھ کہا۔

"آؤں" فوراً صدا آئی۔ اور صدا بہزار ناز و انداز سامنے تھی! یہ بھی
بتا دینا چاہیے کہ مصور اس تصویر کی صورت ایک تدبیر جب اپنے لباس
کے موافق کھینچتے ہیں تو صدا کو لباس عریانی کے علاوہ دوسری پوشاک

مین نہین دکھاتے! وہ یہی فطرتی لباس پہنے ہوے، عجیب شان دربائی کے ساتھ نرگس کا دل چرا لینے کی کوشش کر رہی تھی! نرگس نے اُسے دیکھا اُسکی جوانی کو دیکھا! اُسکی بیباکی کو دیکھا، اور نہایت تنفر اور غرور کے ساتھ کہا " دور ہو! یہ منھ اور عشق نرگس!"

"عشق نرگس"! صدا نے جواب دیا اور شرمندہ چشم و ابرو کے ساتھ پھر اُسی جھنڈ مین واپس چلی گئی! چلی گئی مگر ٹوٹا ہوا دل لیکر گئی! حسرت دل لیکر گئی! اُسکی زبان سے دل ہی دل مین یہ دعا نکل رہی تھی کہ کیوپڈ اس مغرور نوجوان کو محبت کی چاشنی چکھا دے اور بس!

(۳)

صدا کے روپوش ہوتے ہی نرگس پھر اکیلا رہ جاتا ہے اور پھر اُسی چشمۂ قدرت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے! وہ جھکتا ہے اور اُسکے صاف شفاف پانی مین کسی کی صورت کو دیکھتا ہے! یہ صورت اُسکے دل لبھانے مین غضب کی جھپکی مارتی ہے! وہ کنارے پر بیٹھ کر غور سے دیکھتا ہے! اور زیادہ گرویدہ ہو جاتا ہے! وہ بیقرار ہو جاتا ہے اور آخرکار لیٹ کر کنارے پر منھ چشمہ کی طرف لگا دیتا ہے!

ایک مشہور مصور - اعلی درجے کے شاعرانہ تخیل کے ساتھ اسوقت

تین حساب سے یہ تو عرض نہین کر سکتا کہ یہ تصویر محرک ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۱۲۹

کی تصویر اس طرح کھینچا ہے کہ ایک سبز وادی ہے؛ دور۔ پس پشت۔ درختوں
کی سبز گھٹا اُفق کو چھپائے ہوئے ہے؛ اونچی نیچی چٹانوں پر چشمہ میں بہ کر
آنے والے بارش کے پانی نے نہایت خوبصورت اور بل کھاتی ہوئی نالیاں
بنا دی ہیں، چشمے کے کنارے پر ایک اونچا اور گھنا سرسبز و شاداب
درخت سایہ فگن ہے؛ اسی درخت کے سایہ میں نرگس چشمہ کے کنارے
منھ لگائے اوندھا لیٹا ہے؛ اُسکی سرخ چادر جو باندھے اور اوڑھے تھا
پوری بے پروائی کے ساتھ سکڑ کر کمر کے گرد اور سینہ کے نیچے رہ گئی ہے
باقی تمام جسم۔ گورا، نظر فریب، اور سڈول جسم کھلا ہوا ہے؛ چشمہ کے
پانی پر درخت کا عکس پڑ رہا ہے؛ اسی عکس کے اوپر خود نرگس کے
چہرہ کا عکس ہے جس پر وہ مفتون ہو گیا ہے؛ اور دوسرے کنارہ پر ایک
بھوکے درخت کی جڑ کے پاس، ایک ہاتھ تنے پر رکھے اور دوسرا پتھر
پر لگائے، پاؤں پھیلائے صدا بیٹھی ہے: اُسکا صرف نصف جسم چھپا ہوا
ہے مگر اوپر کا نصف جسم دھوپ اور ہوا کو آزادی کے ساتھ آنے اور چھو جانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) جذبات حیوانیت۔ یا نیچرل شاعری کا انسان صحیح اگر اس قدر
درحقیقت بیان ہوں کہ تصویر J. W. Water house R.A. کے خامہ کا نتیجہ ہے؛ اور ایک
ایک اعلیٰ صنعت کے طور پر {Walker Art gallery} واقعہ لورپول میں آویزاں ہے۔
مجھے اگر گناہ ہو سکتا ہے تو عرض کر دیتا ہے اسکو الفاظ میں بیان کیا (باقی حاشیہ)

نرگس کو غضب کی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے! اور اس مڑنے سے اسکی بھوین کمریں ایک ناقابل بیان لچک پیدا ہو گیا ہے۔ کی اجازت دے رہا ہے! وہ مڑی ہوئی

نرگس خود بینی و خود پرستی میں متوالا ہو رہا ہے: صدا خود فروشی وغیرہ پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے: اور تمام کائنات گرد و پیش، سکوت کے عالم میں اس ایک جذبہ کے دو متضاد اثر دیکھنے میں مصروف نظر آتی ہے! یا شاید زبان حال سے نرگس سے کہہ رہی ہے:

اچھے سے سامنا ہے، ذرا دیکھ بھال کے!
او آئینہ میں دیکھنے والے ذرا دیکھ بھال کے!

نرگس بیتاب ہو کر اس چشمہ میں ہاتھ ڈالتا ہے، پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور چہرۂ زیبا کا چھپا ہوا تھوڑی دیر کے لیے عکسی دنیا سے معدوم ہو جاتا ہے! نرگس صبر کے ساتھ انتظار کرتا ہے، دور شکل میں دست و گریباں ہو جانیوالی لہریں کسی کی مسکراہٹ سے دور ہو جانیوالی چین جبین کی طرح آہستہ آہستہ دور دور ہٹتی جاتی ہیں، اور وہی دلکش چہرہ کا چھپا ہوا، پھر آ موجود ہوتا ہے!۔۔۔ نرگس اب اُسے چھوتے ہوئے ڈرتا ہے، مگر غرق عشق ہو چکا ہے! بولنے پر اسکو سوائے دور آنے والی صدا کے اور کچھ سنائی نہیں دیتا! وہ گھبرا کر آواز کے ساتھ "آہ" کرتا ہے اور چشمہ میں سے ساتھ ہی دردناک "آہ!" سنی جاتی ہے!

زمانہ بھی سچا تھا؛ دنیا بھی جھوٹ اور دغا سے پاک تھی؛ جذبات بھی
تیز اور پر اثر تھے؛ اور تخیل بھی دیرپا اور تمام ہستی پر چھا جانے والا تھا! الیلی
ہنار مین دلفریبی تھی، دل مین سچی محبت تھی، اور محبت مین غضب کا اثر
تھا! نرگس کو اسی عالم مین گھنٹے نہین، دن گذر گئے! اور صدا کو اسی طرح
نگاہِ شوق کے ذریعہ سے سکون قلب حاصل کرتے ہوئے عرصہ ہو گیا!
آخر کار لکھنے والے لکھتے - اور شاعری کے دلدادہ مانتے ہین کہ نرگس
اُس چشمہ مین کود پڑا، ڈوب گیا، انسانی قالب سے گزر گیا؛ مگر خدائے زمین
کے حکم سے فوراً ایک خوب صورت خوشنما پھول مین تبدیل ہو گیا، جو عام
طور پر ایک نرگس (Narcissus) کہلاتا ہے اور جسکی بمثل آنکھ
اب بھی سوائے اپنے اور کسی کو نہین دیکھتی! البتہ صدا کو یہ سزا دی گئی
کہ اُس کا جسمانی ہیولی بالکل ضبط ہو گیا، اب اُسکا وجود محض آواز ہی
اور وہ بھی آواز بازگشت!

آپ نرگس کو ڈھونڈھین - کسی چشمہ یا دریا کے کنارے پر ہی
پائین گے - کیونکہ وہ چشمہ مین ہی مشغول خود پرستی ہے اور صدا سے
دریا کا لخت جگر ہے! آپ صدا سے ہمکلام ہونا چاہین - وہ جنگل و ویرانہ
مین ہی ملے گی اور محض آپ کے آخری الفاظ دہرانے کی طاقت رکھتی ہے!

نہ اب وہ نرگس ہے اور نہ وہ صدا! اور وہ زمانہ بھی آنیوالا ہے

ب یہ موجودہ نرگس و صدا بھی نہ ہوگی پھر کون ہوگا؟ اسکو خود سوچ
ئی نہ کوئی ہوگا ضرور! وہ جذبہ خودپرستی ضرور ہوگا جو نرگس میں
بلے تھا اور اب بھی ہے! اور؟ اور اک ذات خودبین و خودپرست
وگی اور بس!!

سنسر ۹

مطبوعہ یکم اگست ۱۹۱۵ء

(۱)

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من انداز قدت را می شناسم

دنیاے جدید اختراعات و جدت سے پر ہے! قدامت پسند پیر زال زمانہ چرخ کج رفتار کی نظر آنے والی چال کی بدولت کم از کم ہمارے کرہ زمین سے اپنا بوریا بدھنا سنبھال کر مدت ہوئی کہ ہوا ہو گئی! اب اسکی نظر فریب جانشین دنیاے جدید اپنی ترقی کی برقی شعاعون سے ایک ایک چپہ کو منور کر رہی ہے! قدامت پسندی فی الحقیقت نام ہے "تھک کر ایک جگہ ٹھہر جانے کا"! اور جدت آفرینی نام ہے "روز نئی دلکش باتون کے وجود مین لانے کا"!

دنیاے جدید نے جہان امریکا جیسی نئی دنیا دریافت کی: قیصر جرمنی جیسا خونخوار انسان پیدا کیا: ریوٹر جیسی راست گو ایجنسی قائم کی: پٹروگراڈ جیسا صحیح اعداد اسیران جنگ بیان کرنے والا خطہ بنایا: وہان اور بہت سی کارآمد و بے مثال چیزون کو بھی جامۂ وجود پہنایا: ان نوزائیدہ اشیاے ضروری مین ایک دلفریب ذات وہ ہے جو سنسر کے نام سے منسوب!

جدید انسائیکلو پیڈیا کے مولف نے اس لفظ کو دو طرح سے لکھا ہے یعنی ایک تو (Censer) کی طرح "E" کے ساتھ اور دوسرے (Censor) کے مانند "C" کے ساتھ! اول الذکر کو خوشبو پھیلانے والا عود یا اگردان کہتا ہے اور آخر الذکر کو اخلاق و افعال کا محتسب بیان کرتا ہے!

ہماری محدود عقل - جو پرانے زمانہ میں ناقص بھی تھی - کام نہیں کرتی کہ موجودہ ہستی عجیب عود دان ہے یا محتسب؟ وجہ یہ ہے کہ اس جدید شخصیت کی ذات والا صفات عود دان کی طرح اپنے جوہر ذاتی کی خوشبو سے ہر دماغ کو معطر بھی کر رہی ہے، اور محتسب کی طرح محاسبۂ غیر محدود میں بھی منہمک ہے! محققانِ نوخیز تو اس ذات نوزائیدہ کو محض زمانہ جدید کی جدت آفرینی سے منسوب کر کے داد کے خواہاں ہیں لیکن حاجی شیخ العلٰی صاحب جیسے عالم متبحر اس ذات کا وجود قریب قریب اس طرح سے بیان کرتے ہیں جب معلم الملکوت کی خدمات - خدا واحد کے حکم مطلق میں ناجائز محاسبہ کرنے کے بدولت - فردوس سے ہماری زمین کی طرف منتقل کر دی گئی تھیں! واقعہ یہ ہے کہ محتسب جدید یا سنسر کی ڈیوٹی - بالفاظ مختصر - قطع و برید ہے، اور تاریخ ہے کہ دنیا کی ہر چیز روز اولین سے قطع و برید کے قانون کے زیر

چلی آتی ہے! دنیا متحرک ہے اور اُسکی ہر چیز متحرک ہے۔ وہ بڑھ رہی ہے
اور اُسکی ہر چیز۔ سوائے حماقت قدامت پسندی کے۔ بڑھ رہی ہے!
قاعدہ ہے کہ زمین سے اُگنے والا پودا اگر آفتاب وہوا پر ہی چھوڑ دیا جائے
اور دستِ انسانی اُس کی غذائے بالیدگی کو چوس لینے والی گھاس کو
اُس سے دور نہ کرتا رہے، تو وہ کبھی درخت نہیں بنے گا اور نہ بارآور
ہوگا! ہر وجود میں آنے والی چیز جو مائل بہ بالیدگی ہو فطرتاً قانونِ قطع و
بُرید کی محتاج ہے! حاجی صاحب مدظلہ اس قطع و بُرید کرنے والی شخصیت
کا وجود روزِ ازل سے ثابت کرتے ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں ثابت کرتے
ہیں! اس سے کون منکر ہو سکتا ہے۔ ریشِ خود رو کا سنسر زمانۂ
جاہلیت سے اپنی قطع و بُرید میں حسبِ آب وہوا مصروف چلا آتا ہے!
کبھی اُس کی مقراضِ سبک، ریشِ مبارک کو اسی حد تک سنسر کرتی ہے
کہ بلا خوفِ احتساب بڑھنے والے بال یک مشت و چہار انگشت کی
سدِ سکندری پر رُک جاتے ہیں: اور کبھی اُسکا تیز اُسترہ بیک گردشِ
دستِ جاروب کش، ایک دن کی ننھی جان۔ سبزۂ دوشینہ۔ کو پیدا ہوتے
ہی عدم کو پہنچا دیتا ہے! اس زندہ مثال کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑے گا
کہ ڈاڑھی کا سنسر زمانۂ درازسے چہرۂ کتابی پر حکمرانی کرتا چلا آتا ہے!
حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ناخن پا سے لے کر موئے بدن

یعنی ؟ یعنی ؟) موے سر تک، تمام اُگنے یا بڑھنے والی چیزیں سنسر کے دستِ قطع و برید کی تختۂ مشق چلی آتی ہیں! اور اُنکا سنسر نوبت ہونے کے لحاظ سے ہفتہ میں ایک مرتبہ، روزانہ یا تمام عمر میں ایک مرتبہ علی قدرِ مراتب اپنے فعل اصلاح پہ برابر کاربند نظر آتا ہے!

کل کے برخوردار آج کے پدر بزرگوار ہیں! ہر چیز ترقی کے رنگ میں کینچلی اُتارتے رہنے کی عادی ہے! سنسر کی شخصیت نے بھی زمانہ کے قدم بقدم چل کر حسب حاجت ہمیشہ نئے قالب اختیار کیے ہیں! جس وقت سے اسکول اور نئی یونیورسٹی نے جنم لیا، سنسر کی ذات نے بھی اُس دائرہ میں شکلِ ممتحن میں جلوہ فرمایا! جس قدر تعلیم کی تیز روی کے ساتھ طلباء کی تعداد بڑھتی گئی۔ اُسی نسبت سے جزوِ سنسری ممتحن کی ذات و صفات پر غالب آتا گیا! چنانچہ فی زماننا اگر تعلیم اس حد پر پہنچ گئی ہے کہ قلی بھی انٹرنس پاس سے کم نہیں لیا جاتا، تو ممتحن کا فعلِ قطع و برید بھی اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اگر سولٹر کے انٹرنس میں شامل ہوں تو ایم۔اے پاس کرنے تک بلا مبالغہ صرف ایک ذات واحد رہ جائے گی! اور اگر اس سے آگے قدم ... بڑھایا گیا تو شاید سنسر تعلیم کی جوعِ قطع و برید کو سیر کرنے کے لیے فردوس میں کے رہنے والے تعداد کو پورا کرنے کی خاطر طبقۂ اسفل کی طرف تشریف لے جاکر شریکِ امتحان ہوں گے!

ہاں! اس سے پیشتر سپنسر کی روح پرانے زمانہ میں ایک اہم ترین

جذبۂ انسانی کی بھی اصلاح کرتی رہی ہے ظاہر ہے کہ تعلق مرد و زن ایک نیچرل تعلق

ہے، اور کہنے والے کہتے ہیں کہ ... ل بہ کثرت ہے: اس لیے سپنسر کی ذات

والاصفات نے قاضی صاحب یا پنڈت جی کی شکل میں زمانہ جاہلیت کی

کثرتِ ازواج کو ایک حد تک بہت کچھ محدود کر دیا، اور بالآخر پادری صاحب

کی نوزائیدہ صورت میں - ظاہر طور پر ہی سہی - صرف ایک کے عدد تک کم کر دیا

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک خاص حد مقرر

ہے اور جب کوئی چیز اپنی حد مقررہ سے متجاوز ہو جاتی ہے تو سپنسر کی

ذاتِ قاطع، موزوں شکل میں جلوہ گر ہو کر ضروری اصلاح کا فرض پورا کر دیتی

ہے! انسانی آبادی ہمیشہ سے رو بترقی ہے اس لیے جب کبھی اور جہاں

کہیں - یہ آبادی مردم شماری کے معین حدود سے بڑھ جاتی ہے فوراً حسب

رفتارِ ترقی اس کی قطع و برید ہو جاتی ہے! وحسب رفتارِ ترقی سے یہ

مطلب ہے کہ جس حصۂ ملک میں دو افرادِ انسانی کی باہمی کوشش سال بھر

میں صرف ایک تیسرے وجود کو پیدا کر سکے وہاں سپنسر کی روح محض

وبائے موسمی کے رنگ میں تھوڑے سے اجسام کا قطع و قمع کر کے ...

کی اصلاح کر دیتی ہے، اور جس طبقۂ مردم خیز میں ایک اور ایک گیارہ

ہو جاتے ہوں وہاں سپنسر کی ذات بھی جنگِ تباہ کن کی شکل میں بلائے

سمانی کی طرح نازل ہوکر درجن کے درجن لمحوں میں فنافی البحر کیے ڈالتی ہے!

جس طرح اور چیزوں کے لیے ایک خاص حد مقرر ہے اسی طرح
ازمی ہے کہ اخبار ورسائل کے لیے بھی ہو! اجرائے اخبار ورسائل کی
باموجودہ زمانہ میں اس قدر عالمگیر ہے جس قدر طاعون یا مرض ملک گیری!
ذل اول تو محض اس خیال سے اخبار کے لیے سنسر کی ضرورت لاحق نہیں
ولی کہ ان کی ہستی کا قیام برساتی حشرات الارض سے زیادہ دیرپا نہ تھا
یکن جب یہ ثابت ہوا کہ ان میں سے بعض اس قدر سخت جان ہیں کہ
باوجود بے اتفاقیِ زمانہ و ناد ہندیِ خریداران، مارے نہیں مرتے
ور بعض اوقات اپنے حدود سے باہر پھلانگ جاتے ہیں تو لازم ہوا
ہ سنسر کی ذات والاصفات درۂ محتسب کا پورا پورا استعمال شروع کردے
چونکہ روزانہ و ہفتہ وار اخبار کی ترقی ماہ واری رسائل سے سریع تر
ور خوفناک تر ہے اس لیے جناب سنسر کی توجہ پہلے ان ہی کی جانب مبذول
ہولی! اب یہ شکایت کہ بعض اوقات سنسر کا دست قطع و برید عبارت
کے ساتھ مطلب پر بھی چھری پھیر دیتا ہے محض مہمل ہے! مانا کہ بعض اوقات
ہمدرد کے آج کل چھپنے والے پرچے۔ بلا روے رعایت کسی ایسے
شخص کے چہرے کے مانند ہوتے ہیں جس کو نیچرنے داڑھی کے بال
خال خال۔ یا دو دو انگل کے تفاوت پر عطا کیے ہوں: مگر اس سے

سنسر کی ہمہ فہم و ہمہ دان شخصیت پر کوئی بدنما نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا!

در اصل کسی چیز کے سنسر کرنے کے لیے ایک ایسی لیاقتِ معاملہ فہمی کی ضرورت ہے جیسی صدر خزانچی کو سکّہ ہائے رواں کے۔ ایک نظر۔ کھوٹے اور کھرے پہچاننے کی ہوتی ہے! جس طرح خزانچی جی کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر تیزی کے ساتھ پھسل کر جانے والے روپے صرف اپنی آواز سے اپنی حقیقت ظاہر کر دیتے ہیں: بالکل اسی طرح کسی اخبار کی عبارت۔ باوجود اپنی روانی اور سنانے والے کی تیز خوانی کے۔ سنسر کے ایک کان سے دوسرے کان تک جانے میں فوراً کھٹک جاتی ہے

"خدا پنج انگشت یکسان نہ کرد" کے موافق تمام قابل اصلاح اشیائے عالم بھی۔ اپنی قوتِ بالیدگی و کیفیت مزاج کے لحاظ سے مختلف طور پر محتاج قطع و برید ہیں! بعض اشیائے عالم اسپ شریف راجا کے سیست کی مانند سگِ زرد کی دُمِ خمیدہ کی طرح۔ صرف ایک مرتبہ کی اصلاح سے کبھی اپنی حد معینہ سے تجاوز کرنے کی جرأت نہیں کرتیں: لیکن بعض مادۂ فاسد سے پر ہونے والی چیزیں۔ سبزۂ خودرو کے مثال۔ باوجود استعمال قینچی نوجوانوں کی ریش بچگان کی مانند ہر چوبیس گھنٹے کی مدت میں اپنی مقررہ حدود سے باہر نکل جاتی ہیں! ان واقعات کو مدِنظر رکھ کر سنسر کو شوریدہ سر کہنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

اب یہ سب کچھ سنکر - جو ایک ذاتِ بابرکات کی مجمل داستان ہے
آپ فرمائیے ۔ سینسر کیا ہے؟ ممکن ہے کہ آپ ہمارا مافی الضمیر سمجھنے میں
عجلت سے کام لیکر سینسر کو متعصب دیرینہ پرست ، وبائے عالمگیر جنگ
مغلوبہ - یا بزبانِ دقیانوسی و عام فہم - محض حجام کہہ دیں! لیکن ہمارا
یہ مطلب نہ کبھی تھا نہ ہے : اور اپنی غلط فہمی کے آپ ہی ذمہ دار اور
جواب دہ ہیں!

اعجازِ محبت

مطبوعہ یکم اپریل سنہ ۱۹۱۲ء

(۱)

"اپالو بندر اور چوپاٹی کو چولھے مین ڈالو! مجھے نہ یہان لطف آسکتا ہے نہ وہان! مین نئی روشنی کی نمائشِ غیر ضروری اور پرانے رنگ کی تقلیدِ حماقت آمیز، دونون سے متنفر ہون! چلئے کسی سُنسان سڑک پر چلو!"

فریڈ کو تعجب تھا کہ وہ اعجاز کی زبان سے ایسے الفاظ سُن رہا تھا اُسنے نگاہ اٹھا کر میز پر رکھی ہوئی خوبصورت ٹائم پیس کو دیکھا! اُسکے برابر چاندی کے فریم مین لگے ہوئے اعجاز کے سنیپ شاٹ کو دیکھا، سامنے والی دیوار پر نظر آنے والے "وینس" کے رنگین پینٹنگ کو دیکھا! کارنس پر رکھے ہوئے کیوپڈ اور سائکی کے ہم آغوش ہونے والے مجسمہ کو دیکھا اور سگرٹ کا کش لے کر دھوان چھوڑنے مین چھلے بناتے ہوئے کہا "اعجاز! اگر مین تمھین اچھی طرح نہ جانتا ہوتا - یادش بخیر، کالج مین کامل دو سال مین تمھارا کلاس فیلو نہ رہا ہوتا - مجھے اسکا علم نہ ہوتا کہ تمھاری آنکھون مین جنسِ نازک پر دلکش اثر ڈالنے والی خاص چیز، اور تمھارے دل مین کسی کی

محبت سے متاثر نہ ہونے والی خاص کیفیت موجود ہے، تو میں یقین کر لیتا کہ تم پر بھی عشق کا بھوت سوار ہوا ....."

"لیکن! فرید!" اعجاز نے بات کاٹ کر اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں اگر خود اقرار کروں کہ واقعی جذبۂ محبت میرے مردہ دل میں از سر نو مشتعل ہو گیا ہے؟"

"تو میں کہوں گا کہ غلط اور سراسر غلط!" فرید نے تصویروں اور آرائش کی چیزوں سے نگہ ہٹا کر، اپنے سگرٹ کو خاص نظر سے دیکھتے ہوئے۔ جس کی اب وہ راکھ جھاڑ رہا تھا۔ کہا "میں ابھی تم کو اور تمھاری قلبی حالت کو بھولا نہیں ہوں! حمیدہ پہ تمھارا فریفتہ ہونا۔ جب وہ گرل اسکول میں انٹرنس کے لیے کوشاں تھی؛ اس فریفتگی کا قیام مستحکم، قسمت کی برگشتگی، تمھارا جنون، بی۔اے سے پیشتر ہی کالج کو الوداع اور اسٹیج کی زندگی کو اختیار کرنا؛ مجھے سب کچھ یاد ہے۔ اور خوب یاد ہے! مجھے یقین ہے کہ اعجاز محبت کا انحراف کوئی صورت نہیں کر سکتی! وہ ایک کو دل دے چکا اور اب اُسی ایک کی یادِ خلش آمیز کا مجنون ہے۔ ہے اور رہے گا! حُسن کی بےمثال سے بےمثال صورت بھی اُسے ڈگمگا نہیں سکتی!"

"عزیز دوست!" اعجاز نے۔ اُلٹے ہاتھ سے اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں سے کھیلتے ہوئے اور نظر اُٹھا کر کیوپڈ و سائیچ کے مجسمہ کو دلکش نظر سے

دیکھتے ہوئے۔ کہا "یہ سچ ہے کہ حمیدہ نے میرے دل کو چھین لیا، مین محبت کے پاک جذبہ مین ڈوب گیا، اور دیوانہ ہوگیا، مگر حمیدہ نے میری سچی محبت پر دوسرے شخص کے تمول سے پیدا ہونے والی فوقیت کو ترجیح دی اور اسکے ساتھ شادی کر لی، میرے دل و دماغ پر اُسکی شکل نے ایسا گہرا نقش چھوڑا تھا کہ مین یکایک مایوس ہوجانے سے تقریباً از خود رفتہ ہوگیا اور اس از خود رفتگی نے ہی کالج بھی وقت سے پہلے چھوڑا دیا اور میری زندگی کو بھی ایک چراغ گور بنا دیا، جو تاریک رات مین دُور سے ٹمٹماتا ہوا اور جس سے سوائے ایک مرقدِ غیر حس کے کوئی لطف نہ اُٹھاتا ہو! دنیا اپنی لاتعداد دلچسپیون سے معمور تھی، مگر میری نظر مین تاریک، خشک، اور جھوٹی چیز معلوم ہونے لگی! دل جنون لبریز رہ رہ کر فریاد پر مجبور کرتا تھا، جذبۂ دیوانگی آمیز ٹھہر ٹھہر کر لب تک آجانے کے لیے مچل جاتا تھا، ایسی حالت مین مجھے اپنی بے چینی کا درمان اسٹیج پر نظر آیا۔ جہان ہر رات کو کبھی رومیو کی صورت مین اور کبھی ہیملٹ کی شکل مین، مجھے اپنی کیفیت قلبی کو ظاہر کرنے اور دلی بخار ایک حد تک نکال لینے کا موقعہ مل جاتا ہے....." (اُس نے ایک آہ سرد....)

فرید (بات کاٹ کر) "جب ہی تو مین یقین نہین کر سکتا۔

اعجاز سوائے اس ایک صورت کی یاد کرنے کے کسی اور کا ہو سکتا ہے!

اعجاز "بیشک صحیح! حمیدہ مجھ سے ہی نہیں دنیا سے کنارہ کر گئی۔ کم و بیش تین سال ہوئے کہ مر گئی! مگر عزیز دوست میرے دل میں میری دماغی دنیا میں، وہ صورت برابر زندہ رہی اور اب تک صرف دماغ ہی میں تھی مگر اب اس نے جلتی پھرتی اور ہنستی بولتی صورت میں جنم لے لیا!"

فرید (نہایت تعجب کے ساتھ) "یعنی؟ یعنی؟"

"یعنی وہ زندہ ہو گئی!" اعجاز مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا اور پتلون کی جیب میں الٹا ہاتھ ڈال کر، اس نے فرید سے پھر کہا۔ "زندہ ہو گئی! حمیدہ کے نام سے نہیں، ایک اور نام سے"

"یعنی تم کسی اور عورت پر مرنے لگے! ناممکن! قطعی ناممکن!!" فرید نے سگرٹ ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑے ہو کر جواب دیا "میں تمھاری زندگی کو پانچ سال سے دیکھ رہا ہوں۔ حمیدہ کے انتقال کے بعد بھی تمھارا جنون برابر قائم ہے! تم شریف خاندان سے ہو، اور اس وقت ہندوستان میں تم جیسے تعلیم یافتہ اور شریف نوجوان نے ایکٹنگ کو ایک قابل عزت چیز بنا دیا ہے جس وقت تم اپنی ڈگری چھوڑ کر اسٹیج میں شامل ہوئے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے اس وقت تم پر ہر معزز و تعلیم یافتہ طبقہ نفرین کرتا تھا، مگر اب تمھاری قدر کی جاتی ہے، عزت کی جاتی ہے، پرستش کی جاتی

اعجاز (بات کاٹ کر) "فرید! فرید! آخر اس قصیدہ مدحیہ کا مطلب ...... ؟"
وہ عجیب مسرت آمیز چشم و ابرو کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔
فرید (اعجاز کو محبت کے ساتھ دیکھتے ہوئے) "مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں۔ میں خود دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری معمولی سی توجہ پر خوبصورت سے خوبصورت اور متمول سے متمول، تعلیم یافتہ بیوی تم کو، ہر وقت مل سکتی ہے: لیکن پھر بھی تم اُسی کی یاد کے دیوانے، اُسی دماغی صورت کے دلدادہ ہو اور رہو گے!"
اعجاز "فرید تم نے میری دلی کیفیت کے سمجھنے میں غلطی کی" اُس نے اپنے سیدھے ہاتھ کے پنجہ کو کوٹ کے دو لگے ہوئے بٹنوں کی درمیانی خلا میں ڈال کر کہا "میں حمیدہ پر نہیں مرتا تھا! بلکہ اُس چہرے اُس نقشے، اور اُس مجموعی ہیأت پر مرتا تھا۔ جو حمیدہ کے نام سے موسوم ہونے والے قالب میں مجھے نظر آئی تھی! اس قدر عرصہ کے بعد اب پھر میں اُسی چیز کو، چلتا پھرتا اور ہنستا بولتا پاتا ہوں جسکی تلاش میں میرا دل و دماغ برابر مصروف اور دیوانہ تھا!"
فرید (تعجب کے ساتھ) "اور اس اجمال کی تفصیل؟"
اعجاز "کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ میں حسب معمول سنیچر کے روز

شام کو ٹہلتا ہوا بینڈ اسٹینڈ پر جا نکلا: وہان بینڈ تھا اور مجمع تھا! اُسی بھیڑ مین، ایک کونے کی طرف مین نے اُس دلکش چیز کو کھڑا ہوا پالیا جس کی تلاش مین یا دپرستی میرا شیوہ ہوگیا تھا!"

فرید "اور یہ بھی معلوم کرلیا کہ وہ کون ہے ؟"

اعجاز "ہان! یہ بھی معلوم کرلیا اور خوب معلوم کرلیا! مین نے اُسی دن، اُس سے چھپ کر اُس کا پیچھا کیا۔ یہان تک کہ اُسکے مکان کا پتہ لگا لیا۔ لگا لیا اور آمد و رفت شروع کر دی! خدا کرے کہ حمیدہ کی طرح اُس کا دل نا قدر شناس محبت نہ ہو!"

فرید "اب یہ ناممکن ہے! حمیدہ بھی اگر اسوقت زندہ ہوتی تو تمھاری موجودہ عزت و ہر دلعزیزی کے سامنے خود اپنا دل نذر دیتی۔۔۔"

اعجاز (بات کاٹ کر) "مگر مین اُس بھولی چیز کو اپنی شہرت و عزت کے جال مین پھانسنا نہین چاہتا! مین نے اپنا نام اعجاز نہین بتایا ہے اور نہ اُسکو میرے ایکٹر ہونے کا گمان ہے! مین یہ چاہتا ہون کہ وہ اعجاز سے موسوم ہونے والی شخصیت کو دیکھے، اُن عادات و اطوار کا اندازہ کرے جو فطرت ثانیہ بن کر مجھ سے جدا نہین ہو سکتے: اور ایسی شخصیت کا اندازہ اُس تمام عزت و شہرت کی جھول علیحدہ کر دینے کے بعد جو چشم زدن مین معدوم ہو سکتی ہے، اُسے اختیار ہے کہ نفرت کی نگاہ سے کرے یا

پسندیدگی کی نگاہ سے!"

فرید "لیکن تم وہاں پہونچے کس تقریب سے؟"

اعجاز "اس قدر تو مین نے اُسکی تنہائی پسند عادت سے پہلے ہی روز معلوم کر لیا تھا کہ وہ فارغ البال اور تفکر سے آزاد نہین ہے: یعنے اُسے اپنا پیٹ خود پالنا پڑتا ہے؛ لیکن دوسرے دن بلا توقف اُسکے مکان مین چلے جانے کی جرأت اُس سائن بورڈ سے ہوئی جو اُسکے مکان پر لگا ہے اور جسپر "یہان پیانو اور ہارمونیم سکھایا جاتا ہے" لکھا ہوا ہے!"

"گویا تم ہارمونیم سیکھنے جاتے ہو؟" فرید نے ہنستے ہوے کہا!

"ہان!" اعجاز نے کانس پر لگے ہوے قدآدم آئینہ مین۔ اپنے سیاہ سوٹ، کوٹ کے لمبے کالر مین سے نظر آنیوالی سفید فنیسی ویسٹ کوٹ، اور اپنے سرخ سفید چہرے کو دیکھا۔ دیکھا اور مسکراتے ہوے کچھ اس طرح گویا وہ اسٹیج پر ایکٹ کر رہا ہے۔ کہا "اعجاز ہارمونیم کو بھول گیا: بلکہ جانتا ہی نہین: وہ سیکھتا ہے، روزانہ صبح کو سیکھتا ہے: اس قدر غبی ہے کہ چار روز مین سرگم بھی صاف نہین بجا سکتا! اور اس امید مین ہے کہ سکھانے والی کی شرمیلی مگر سرقۂ دل کی عادی آنکھین کبھی غصے کی دلفریب ادا کے ساتھ اُسپر پڑین!!"

اعجاز۔ مشہور و معزز ایکٹر۔ سچ تو یہ ہے کہ اس محبت کے بدولت ہی ایکٹنگ مین غیر معمولی ذہانت کا آدمی سمجھا جاتا تھا! محبت کا روپ بھرتے کے وقت اُس کا دل محبت سے حقیقی طور پر معمور ہوتا تھا، اس لیے وہ رومیو ہو یا ہیملٹ، ناصر الدولہ ہو یا اور کچھ، سچی اور واقعی محبت اُسکے حرکات، اُسکی چال، اُسکی آواز، اُسکے چشم و ابرو، اور اُسکی ایک ایک ادا سے ٹپکتی تھی! واقعی اُس نے ہندوستان کی اسٹیج پر "ایکٹنگ" کے ذلیل سمجھے جانے والے پیشہ کو، قعر مذلت سے نکال کر فنون لطیفہ کی معزز حدود مین داخل کر دیا تھا! ایک مردہ تصور کی محبت نے اُسکی زندگی تک کو "ایکٹ" بنا دیا تھا اور اسی وجہ سے اُس ہستی کو کسی اور قالب مین پاکر وہ جس رنگ مین اُس سے ملا ایک قسم کا "ایکٹ" ہی تھا!

مِس رُستم۔ سیاہ و شربتی آنکھین، سفید و کتابی چہرہ، لمبے اور لہردار بال، رکھنے والی جوان لڑکی۔ تیرے بجنے والے اُونچے ہارمونیم کے پاس کھڑی تھی، کبھی ہارمونیم کو اور کبھی ہارمونیم بجانے والے نوجوان کو دیکھ رہی تھی، اور کسی خاص خیال مستقل سے پیدا ہونے والی شان افسردگی۔ مایوسی نہین محض افسردگی۔ اُسکی پیشانی مین جھلک مار رہی تھی!

فرامرز۔ باجا بجانے والا فیشن ایبل نوجوان۔ ایک اونچی تپائی پر باجے کے آگے بیٹھا تھا اُسکے پاؤن دھوکنی پر اور اُسکے سیدھے ہاتھ کی

اُنگلیاں باجے کے پردوں پر متحرک تھیں، مگر اُس کی آنکھیں۔ اُسکے دل و دماغ کی تعمیل حکم میں باجے کے بجائے کسی اور طرف کسی مقناطیسی نظر کی طرح نگاہ شوق کے معنی خیز شرارے چھوڑنے میں مصروف تھیں!

"سا رے گا، رے گا ما، گا ما پا" کی آواز باجے کے پردوں سے نکل کر چھوٹے اور سلیقہ کے ساتھ۔ تھوڑے سامان سے۔ سجے ہوئے والے کرہ میں گونج رہی تھی!

"پا دھانی، دھانی سا، سانی دھا...."

"ٹھہریے! ٹھہریے!! جلدی نہ کیجیے!" مس رستم نے نوجوان سے کہا "اور اگر وقت تھوڑا ہو۔ تو بھی کام میں عجلت نہ ہو" فرامرز نے منہ پھیر کر مس رستم کو دیکھتے ہوئے کہا!

مس رستم "افسوس ہے کہ آپ میرے بتانے پر غور نہیں کرتے آج دو ہفتہ گزر گئے ہیں لیکن ابھی تک آپ سرگم کے پلٹے صاف طور پر نہیں بجا سکتے! میری زندگی میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ ایسا.....؟"

فرامرز نے بات کاٹ کر "عجیب شخص پالے پڑا ہوں" وہ مسکرانے لگا!

مس رستم (کچھ گھبرا کر) "جی نہیں! میرا مطلب یہ نہیں تھا معاف کیجیے۔ آپکو غلط فہمی ہوئی!"

فرامرز "غلط فہمی میری خصوصیات میں سے ہے! میں با جا بجا۔

کی ہدایات کو بھی غلط سمجھتا ہون "

مس رستم "مین معافی مانگتی ہون اگر آپ کو ناگوار ہوا ہو"

کچھ خجالت اور کچھ معصومیت اُسکی چشم و ابرو سے ظاہر ہو رہی تھی!

فرامرز "نہین نہین! مجھے مطلق ناگوار نہین ہوا۔ آپ کو ہر

بات کہنے کا حق ہے......"

مس رستم (بات کاٹ کر) "اب تیسرا پلٹا بجائیے!"

"سا رے، سا رے، گا، رے گا ما" باجے کی آواز پھر گونج

رہی تھی "گا ما، گا ما، پا: ما پا، پا ما، دھا......"

"غلط، غلط، پھر بجائیے!" مس رستم نے کہا!

"ما پا، پا ما، دھا" فرامرز نے دہرایا!

"جی نہین! ما پا، ما پا، دھا" مس رستم نے سُریلی آواز مین گا کر بتا

"مین اس آپا۔ دھا پا سے عاجز آگیا ہون" فرامرز نے باجے کو

چھوڑ کر مس رستم سے کہا!

"مگر بغیر اسکے آپ آگے نہین چل سکتے"

"چل سکون یا نہ چل سکون! اب تو میری انگلیان دکھ گئی ہین"

فرامرز نے ہنستے ہوے کہا "ذرا دم لے لینے دیجیے"

فرامرز کو اول ہی دن سے حیرت تھی کہ ایسی دلکش ہستی کیون تنہا ی

ہیں، باجا سکھانے کو اپنا ذریعہ معاش کیوں بنائے ہوئے ہے؟ چھوٹے
کمرے میں لگی ہوئی دو تین تصویروں نے فرامرز کی متجسس نظر اور ذہنیت
طبیعت کو تھوڑی بہت امداد دی تھی لیکن مس رستم کی تنہائی پسندی اور
خاموش افسردگی پھر بھی بجائے خود ایک گرہ تھی جو ابھی تک اُسکی فکر رسا
پوری طور پر کھول نہ سکی تھی!

مس رستم کو پہلی ہی ملاقات سے تعجب تھا کہ ایسا متمول نظر آنے
والا نوجوان روزانہ صبح کو محض باجا سیکھنے اُسکے معمولی سے گھر تک
پیدل کیوں آتا ہے؟ فرامرز کی آنکھوں نے مس رستم کے تخیلات میں
ایک خاص جھلک ضرور پیدا کر دی تھی لیکن پھر بھی ایسی متاثر کرنیوالی
صورت کا غبی یا کند ذہن ہونا ایک ایسی چیز تھی جس کو مس رستم پوری
طرح سمجھ نہ سکی تھی!

”میں دیکھتا ہوں آپ متفکر زیادہ رہتی ہیں، اور اپنی فکر کو زبان
تک نہ آنے دینے کا پورا خیال رکھتی ہیں؟“

”جی نہیں! میں فطرتاً خاموشی پسند ہوں“ مس رستم نے جواب
”کم سخنی اور چیز ہے، اور فکر اور چیز ہے!“ فرامرز نے غور
ساتھ مس رستم کے چہرہ سے ظاہر ہونے والی کیفیت کا مطالعہ کر
ہوئے کہا ”آپ کو فکر رہتی ہے۔ اور مستقل فکر رہتی ہے! کیا

مجھے قابل اعتماد اور لائق امداد شخص نہیں سمجھتیں؟"

"مگر مجھے کسی امداد کی حاجت نہیں، جس کے لیے آپ کو تکلیف دوں" گردن جھکائے ہوئے اُس نے کہا!

"دیکھیے! پھر آپ مجھ پر اعتماد کرنا نہیں چاہتیں، پھر آپ پردہ رکھنا چاہتی ہیں! مجھے افسوس ہے کہ آپ ایسی فضول فکر میں مبتلا رہتی ہیں جو بہت جلد دور ہو سکتی ہے!"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟" مس رستم نے قریب قریب لاجواب ہو جانے کے رنگ میں کہا!

"میں وہ کہتا ہوں جو مجھے نظر آرہا ہے! آج سے بیشتر بھی میں نے چند بار کہنا چاہا کہ آپ جو کچھ مجھ سے پردہ میں رکھنا چاہتی ہیں، میں سب جانتا ہوں، مگر افسوس ہے کہ مجھے اظہار کی جرات نہ ہوئی! آج البتہ یہ ذکر خود بخود چھڑ گیا تو کہتا ہوں کہ مجھے تمام باتوں کا علم ہے ......"

"کن باتوں کا علم ہے؟" مس رستم نے بات کاٹ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا!

فرامرز (مس رستم کو غور سے دیکھتے ہوئے) "اس کا علم ہے کہ آپ متفکر رہتی ہیں - فکر معاش میں سرگرم رہتی ہیں: محض اپنے لیے نہیں اپنے چھوٹے بھائی کے لیے - اُسکے تعلیم کے اخراجات کے لیے! اور اُسکے

ھ ہی اپنے مستقبل کے لیے!" وہ کہہ رہا تھا اور انتشار آمیز کیفیت کا مشاہدہ
منے والے چہرے پر کر رہا تھا: وہ سن رہی تھی اور استعجاب و حیرت میں
ب کر کہنے والے کو بخوبی سمجھ رہی تھی: "مستقبل کے لیے اس وجہ سے
ج زمانۂ ماضی نے کچھ خوشگوار اثر نہیں چھوڑا: آپ کے دل و دماغ پر جس
قدر شناس محبت کا نقش رہ گیا وہ فی الحقیقت انسان پرست نہ تھا
لہ تمول پرست تھا! وہ ایک چھوٹا ایکٹر تھا جسکے لغو الفاظ کو آپ کے ناتجربہ
ار دماغ نے عرصہ تک سچا سمجھا۔ سچا سمجھا اور آخر کار رنج و پشیمانی کا نقش
یہ باقی رہ گیا......"

"کیا؟ کیا؟" مس رستم گھبرا اٹھی!!

فرامرز "آپ مطلق بھی تشویش نہ کریں! یہ تصویریں جو آپ کے
کمرے میں لگی ہوئی ہیں سوائے میرے اور کسی سے یہ راز افشا نہیں
کر سکتیں! میری آنکھیں آپ کی حرکات و سکنات میں مطالعہ سیرت کرتی
رہتی ہیں! میں سمجھتا ہوں کہ سچی محبت کا سچا معاوضہ نہ ملنے سے ایک شگفتہ
طبیعت کس طرح پژمردہ ہو جاتی ہے! مجھے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ
کے تخیلات کی دنیا میں آسائش و اطمینان قلب کی تصویر کچھ ایسی کھنچتی
ہو گی کہ۔ ایک چھوٹا سا خوشنما بنگلہ کسی دریا کے کنارے، مگر آدمی کے شور
غل سے دور، ہو! وہاں سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی چھولوں

لیکن سطح آب تک کو نظر فریب رنگ مین روز و شب رنگتی رہے! دنیا
و مافیہا سے بےخبری ہو، سریلا باجا ہو، خاموش زندگی ہو، اور ؟ اور ایک
قدرشناس نیت دل ہو......"

فرامرز کہے گیا اور مس رستم سنے گئی! آوازِ سحر آمیز انجھر مار کی اور
نشہ محبت دل متاثر ہوا کیا! خدا جانے کس قدر وقت اس طرح گذر
گیا باجا اور زبان کی سرگم!!

(۳)

تکلف کیسی بدنما دیوار ہے جو دو طبیعتون کے درمیان- تہذیب کے
پردے مین اکثر حائل ہو جاتا ہے! لیکن خلوت کا تبادلۂ خیالات اس
دیوار آہنی کو رفتہ رفتہ- زنگ کی طرح بالکل کھا جاتا ہے! کل جو شخص
وہ "آپ" کے ساتھ مخاطب بنایا جاتا تھا، آج "تم" ہی پر اس سے اکتفا
کیا جاتا ہے: ناواقفیت سے بےتکلفی کی حدود کا فاصلہ کچھ زیادہ نہین
ہے: خلوت کی ہمنشینی اور تبادلۂ خیالات کا موقعہ اگر دونون چیزین
خوش نصیبی سے حاصل ہو جائین تو ناواقفیت کا مسافر بےتکلفی کی حدود
مین دیکھتے ہی دیکھتے پہنچ جاتا ہے اور کسی کو کان و کان بھی خبر نہین
ہوتی! پھر اگر مد مقابل صنفِ نازک ہو، اور کوشش کرنے والا بھی کم از کم
بدصورت نہ ہو- دونو طرف کدورت کی تاریکی نہ چھائی ہو- تو گویا اس

منزلِ شوق لبریز کا سفر فی گھنٹہ ۶۰ میل چلنے والی ڈاک گاڑی میں طے ہوتا ہے!
فرامرز نا واقفیت سے واقفیت تک - اور واقفیت سے بے تکلفی
تک - پونہچا اور ضرور - پونہچا مس رستم باجا سکھوانے سے باتیں کرنے
کی - اور باتیں کرنے سے اظہارِ جذبات کی عادی ہو چلی اور ضرور ہو چلی! وہ
مشتاق آنکھیں سامنے والی دو بھولی آنکھوں کو - رہ رہ کر جھک جانے والی
آنکھوں کو وائرلیس ٹیلیگرافی (بے تار کی تار برقی) کے ذریعہ سے پیغام معنی خیز
پونہچاتی رہیں اور دو دماغ اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس نظر نہ آنے والی
قوت کے نقش دیرپا قبول کرتے رہے!

اُسی مدرسۂ محبت - یا مکتب ہارمونیم نوازی - میں فرامرز باجا بجا کر ایک
روز اُٹھا تھا، اپنے ہاتھ میں دستی چھڑی لے چکا تھا، اُسی ہاتھ کی بانہہ پر سیاہ
چیسٹر ڈال چکا تھا، اور رخصت ہونے سے پیشتر مس رستم سے کہہ رہا تھا "کیا
آپ تھیٹر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں؟"

"پسند تو کرتی ہوں مگر - مگر ......" وہ خاموش ہو گئی!

فرامرز "مگر - مگر کیا؟ بیان کیجیے!"

مس رستم (گردن جھکا کر) "آپ جانتے ہیں میری حالت مجھے
اجازت نہیں دیتی! ورنہ مجھے تھیٹر کا بہت شوق ہے!"

فرامرز "اسکے کہنے کی آپ کو حاجت نہیں! میں ٹکٹ لیچکا ہوں

میرے ساتھ ایک میرے دوست بھی ہین، اور ایک جگہ خالی ہے: اگر آپ
پسند کرین۔ پسند نہین بلکہ مجھے ممنون بنانا چاہین تو چلیے۔ ٹھیک وقت
پر امپائر تھئیٹر پونہچ جائیے۔ میرے دوست آپ کو باہر ہی ملین گے! مین
ایک ضرورت کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد پونہچون گا! آپ اُنکے ساتھ بلا
تکلف اندر جائین اور میرا انتظار کرین!"

مس رستم (نیچی نظرون سے) "بہت اچھا!" (کچھ شرما کر) "مین
آپ کا شکریہ ادا کرتی ہون!"

فرامرز "یہ کیا؟ تماشا دیکھنے سے پہلے ہی شکریہ چہ معنی دارد؟
تماشا دیکھ لیجیے اسکے بعد شکریہ ادا کیجیے! بلکہ اسکے بعد مین خود یاد دلاؤن گا
کہ شکریہ ادا کیجیے کیونکہ آپ مشہور ایکٹر اعجاز کا ایکٹ دیکھ سکین گی!"

مس رستم (خوش ہوکر) "اعجاز! اعجاز کا نام مین بہت سن چکی ہون
اور اسکا ایکٹ دیکھنے کی عرصہ سے مشتاق ہون! وہ بڑا معزز اور مشہور شخص ہے۔
تماشا دیکھنے کے قابل ہوگا!!"

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣
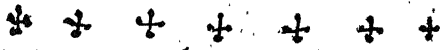
مس رستم تماشہ شروع ہونے سے کچھ پیشتر تھئیٹر پونہچ گئی تھی۔ فرامرز
کا دوست انکو باہر کھڑا ہوا ملگیا تھا جس نے پہلی ہی نظر مین انکو پہچان
بھی لیا تھا اور دونون اپنی اپنی کرسیون پر اندر جا بیٹھے تھے مگر فرامرز

ابھی تک نہین آیا تھا!

تھیٹر تماشائیون سے بھرا ہوا تھا۔ گھنٹی بجی: شوروغل کم ہوا اور پردہ اُٹھا! آبشار والا سین سامنے تھا! مس رستم بڑی دلچسپی کے ساتھ تماشہ دیکھ رہی تھی اور فرامرز کا دوست سکوت کے ساتھ اُسکی حالت کو دیکھ رہا تھا! ایک سین۔ دوسرا سین۔ تیسرا سین: تماشہ برابر ہوے چلا جاتا تھا۔ چنگیز کا ایکٹ اُسے متوجہ کیئے ہوے تھا لیکن فرامرز ابتک نہین آیا تھا! پردہ اُٹھتا ہے اور جھولے والا سین سامنے تھا: ناصرالدولہ کا معصوم بچہ جھولے پر سے اُتر کر "امی جان کہتا ہوا ناصرالدولہ کی بیوی سے لپٹ جاتا ہے اور عین اس وقت جبکہ وہ اُسے پیار کرتی ہوتی ہے۔ پوری خاموشی اور اشتیاق کی کیفیت تماشائیون پر طاری ہوتی ہے کہ۔ اعجاز، مشہور و معروف ایکٹر ناصرالدولہ کے روپ مین، جذبہ محبت سے معمور، "چور۔ چور!!" کہتا ہوا اسٹیج پر آتا ہے!

مس رستم کیا دیکھ رہی تھی! غضب کا ایکٹ، بلا کی آواز، قیامت کا اظہار عشق! لیکن اسکے علاوہ بھی وہ اور کچھ دیکھ رہی تھی! اُس نے پہلو بدلا، گھبرا کر اپنی ریشمین ساڑی کے دامن کو سنبھالا، اور پھر دیکھنا شروع کیا! پھر وہی چیز اُسے نظر آرہی تھی جس سے وہ متحیر تھی! فرامرز کا دوست مسکراہٹ کو روک رہا تھا، کن انکھیون سے مس رستم کو

نا ظر رہا تھا، اور خاموش تھا! مس رستم متحیر تھی، بے چین ہوتی جاتی تھی
اور سمجھ نہیں سکتی تھی کہ کیا دیکھ رہی ہے! اُس نے پھر پہلو بدلا، آنکھوں
کو ملا، اور غور سے دیکھنا چاہا! جس قدر غور کرتی تھی، حیرت بڑھتی جاتی
تھی! وہ پریشان تھی، مبہوت تھی، سمجھ نہیں سکتی تھی کہ ناصر الدولہ کا پارٹ
کرنے والا، مشہور و معروف ایکٹر اعجاز ہے۔ یا نو آموز بار سونیم نواز فرامرز!!
وہ گھبرائی: اسکا چہرہ متغیر ہوا: وہ اُٹھ کھڑی ہوئی: باوجود اصرار کے
بھی نہ ٹھہر سکی اور دھڑکتے ہوئے دل اور باختہ حواس کو انتہائی کوشش
خودداری سے سنبھالتے ہوئے چلدی!!

(۴)

"مس رستم آج کہاں گئی ہیں؟" فرامرز۔ یا اعجاز۔ نے سن رسیدہ
خادمہ سے کمرے کے اندر گھستے ہوئے پوچھا!

"مجھے نہیں معلوم!"

"مگر وہ تو اسوقت کبھی باہر جایا نہیں کرتیں؟" اعجاز نے تعجب
ساتھ پھر سوال کیا۔

"جی ہاں کبھی نہیں جاتیں! مگر کل جس وقت سے تماشہ دیکھ کر
واپس آئی ہیں۔ کچھ طبیعت اچھی نہیں معلوم ہوتی! کچھ سست سی
معلوم ہوتی ہیں! شاید زیادہ جاگنے سے سر میں درد ہوتا ہوا اور

سویرے ہی ٹہلنے چلی گئی ہوں!"

اعجاز تصویروں پر نظر ڈالتا ہوا کھڑکی کے پاس پہونچا! باہر سڑک سامنے تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر بمشکل تمام ساکت رہنے والی مخلوق، صبح ہوتے ہی زندان خانۂ شب سے ایکبارگی نکل پڑی ہے! گاڑیاں - بائیسکل - موٹر - ٹرام - اور پیدل: انسانی آبادی کی رَو ہے کہ چلی جارہی ہے، مصروفیت کا سمندر ہے کہ بل مار رہا ہے! اعجاز غور کے ساتھ دیکھتا رہا - دیکھتا رہا - اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہا: مگر کاروباری مخلوق کی تیز رفتاری اور ہجوم اُسکی نظرین ایک لغو سی حرکت معلوم ہوتی تھی! ان تمام حرکات مین کوئی شعریت، کوئی مذاقِ دلچسپ کوئی محبت کی جھلک - کم از کم اعجاز کو نظر نہین آتی تھی! اور ان تمام باتونکے معدوم ہو جانے کو وہ موت سمجھتا تھا! مشین کی طرح چلنے والی زندگی دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا باجے کے پاس پہونچ گیا! تپائی خالی پڑی تھی اور باجہ بند تھا! اعجاز باجے کو کھول کر تپائی پر بیٹھا اور بجانے سے پیشتر پھر تھوڑی دیر کے لیے محوِ تخیل ہوگیا!

ایک دل کا دوسرے دل کی طرف پسندیدگی کے رنگ مین کھنچنے کا نام محبت کا عمل ہے! اور دوسرے دل کے عمل محبت سے متاثر ہوکر جذبہ

محبت میں ڈوبتے جانے کو محبت کا جواب موافق سمجھنا چاہیے! اسکے بالکل برعکس کشیدگی کا اثر پیدا ہونے کو نفرت سمجھ لیجئے! گویا نفرت و محبت ایک ہی اصلیت سے پیدا ہونے والی دو متضاد چیزیں ہیں: ایک دور کھینچنا چاہتی ہے اور دوسری اتصال کی کوشش کرتی ہے! فصل و وصل مختلف نتیجے اسی لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں! لیکن محبت کے عمل کا ردعمل نہایت جان کاہ: اور جواب موافق نہایت روح پرور! ہر ذرّہ ایک دوسرے کو کھینچتا ہے مگر پھر بھی ہر ذرہ اپنی جداگانہ ہستی کے لیے دوسرے سے فصل کرنے پر مجبور ہے! آہ دنیا! دورنگی دنیا! متضاد قوتوں پر مبنی دنیا!! انسان۔ کیسی عجیب و غریب ہستی ہے: صناع مطلق کی صنعت کاملہ کا نقش آخریں! دماغی لحاظ سے تمام کائنات کا حکمراں! روحانی لحاظ سے فرشتہ، مقصد کائنات! فخر موجودات!! اور جذبۂ محبت کے لحاظ سے، خود ہی سب کچھ حقیقت ہستی! عین حقیقت! حقیقت اور صرف حقیقت!!!

مگر پھر بھی انسان۔ ایک معمہ مہمل ہے: اپنی ذات تک کو قائم نہ رکھ سکنے والا ضعیف البنیان! دنیا کے جاندار و بیجان اشیاء کا محتاج! ہوا و ہوس کا بندہ دغابازی و نفرت کی جڑ! کشت و خون کا حامی! ظلم و کینہ وری کا عادی! بے ایمان، بے ایمان! مجسم شیطان!!

ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا کھڑکی کے پردہ کو خفیف سی جنبش دیتا ہوا

اندر گھسا، محو تخیل اعجاز کو گدگداتا ہوا خدا جانے باجے کے پردوں میں چھپ گیا یا اعجاز کے دل و دماغ میں اُتر گیا! اعجاز کچھ چونکا۔ چونکا اور ایک ٹھنڈے سانس کے ساتھ باجا بجانے لگا!

سبک انگلیاں پردوں پر نہایت تیزی کے ساتھ دوڑ رہی تھیں: ہارمونیم کی دلکش آواز کمرے میں گونج رہی تھی: بجاتے بجاتے بے خود ہو جانے والے اعجاز کا سریلا گلا بھی باجے کا ساتھ دینے لگا:۔

یک شبے مجنوں بخلوت گاہ ناز ۔۔۔ گفت کے اے پروردگار بے نیاز!
از چرا نامم تو مجنوں کردۂ؟ ۔۔۔ عشق لیلے در دلم چوں کردۂ؟"

آواز کا نظر نہ آنے والا فرشتہ کمرے میں گونج کر باہر تک جا رہا تھا! دل پُر درد سے نکلنے والے الفاظ۔ ایک پرانے کشتۂ عشق کے مست کر دینے والے الفاظ۔ مثنوی کی مخصوص طرز میں، در و دیوار کو سُن کیے دیتے تھے! کمرے کے دروازے سے لگی ہوئی مس رستم خاموش کھڑی تھی۔ کھڑی تھی۔ اور موسیقی کا سحر اسکے دل و دماغ کو دیوانہ بنائے دیتا تھا! اُس نے سُنا اور اچھی طرح سُنا! برابر سُنا! دل کے کانوں سے سُنا!

پھر جادو بھری آواز کمرے میں گونج رہی تھی:۔

عشق لیلے نیست ایں کار منست! ۔۔۔ حسن لیلے عکس رخسار منست!"

اب مس رستم کو تاب نہ تھی۔ وہ اندر گھسی! پیر کی آہٹ کے ساتھ ہی اعجاز بھی

مزاج بابا پابند تھا اور دونوں آنکھوں کے توسل سے ایک دوسرے کے سامنے تھے! تھوڑی دیر تک خاموشی؛ مس رستم کی آنکھوں کا خود بخود جھک جانا؛ اور اسکی زبان سے مشکل سے ادا ہونا "آپنے ایسا دھوکا دینے کے بعد بھی آنے کی جرأت کی؟"

"دھوکا! پیاری نازنین! اعجاز اس صورت کو جو اُسکے سامنے ہے دھوکا نہین دے سکتا! وہ عرصہ سے اس صورت کی پرستش کرتا ہے! وہ مس رستم مین اس صورت کو پانے سے پہلے بھی اپنی دماغی دنیا مین اُسپر مرتا تھا! آہ! اعجاز کی زندگی اس صورت پر منحصر رہی ہے اور رہے گی!"

اعجاز نے کھڑے ہوکر نہایت محبت بھری آواز مین جواب دیا!

"نہین! نہین! آپ اب بھی چلے جائیے! چلے جائیے! اور پھر نہ آئیے!" مس رستم نے درد بھری اور بھرائی ہوئی آواز مین کہا۔ اُسکی حالت ناقابل ضبط ہو چلی تھی!

"پیاری نازنین! اعجاز کو نہ نکالو۔ وہ محبت کا مارا، ناقدر شناسی محبت کا فریادی، اپنی زندگی سے بیزار ہے! وہ تم سے زیادہ تمھاری جیسی صورت سے متاثر ہوکر برسون اپنی محبت کا معاوضہ نہ پانے پر آٹھ آٹھ آنسو رویا کیا ہے! اُسکی حالت قابل رحم ہے! اُسکو تم سے جیسلے پہلو مین خود لذت یاب درد دل ہے۔ محبت کی قدر کی امید ہے"

اعجاز جذبۂ محبت مین بھرا ہوا دیوانہ وار کہتا رہا اور مس رستم کے قریب ہوتا گیا! مس رستم کی آنکھین نیچی تھین! بدن مین خفیف سی جنبش تھی! زبان بند تھی اور وہ خاموش تھی! اعجاز اب اُسکے بالکل قریب تھا، اس کا ایک ہاتھ کمر مین حمائل ہوکر مس رستم کو آغوش مین لے چکا تھا، اور دوسرا ہاتھ جھکے ہوے چہرے کو اُٹھا رہا تھا! پھر نظرین ملین اور اعجاز کو مس رستم کی آنکھون مین آنسو۔ شکستہ اور تشنۂ محبت دل کے جذبہ سے بننے والے دو بیش بہا موتی۔ ڈبڈباتے نظر آئے! اب اُسے تاب نہ تھی: حمائل ہونے والے ہاتھ کی امداد سی دو بے چین دل مل گئے! دونون سینون مین کوئی چیز دھڑک رہی تھی، دونون دماغون پر کوئی شے مسلط تھی! دونون دل دو کے بجاے ایک ہوجانا چاہتے تھے!!! اعجاز نے بیساختہ کہا: "پیاری مہ جبین! معاف کرو! میرے طریقہ سے اگر تمھارا دل دکھا تو معاف کرو! عاشق نوازی کی خاطر معاف کرو! اپنے حسن عالمسوز کے صدقہ مین معاف کردو! اعجاز دیوانہ تھا: دیوانہ ہے: اور دیوانہ رہیگا!!"

اعجاز کا منھ جھکا، مس رستم پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور دو لبون نے کسی خوشنما دہانہ پر۔ غنچۂ ناشگفتہ کی تصویر پر ایک مُہر محبت لگادی!!

✢ ✢ ✢ ✢ ✢ ✢

مجھے افسوس ہے کہ اس سرگذشت کا کوئی خشک منطقی اخلاقی و معاشرتی- نتیجہ نہیں نکلتا! تاہم بعض کو مخرب اخلاق ہی نظر آجائے تو غنیمت ہے!!

جدید دوستی

(مطبوعۂ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء)

ماننئے یا نہ ماننئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیاے جدید کی کنچلی اُترنے کے ساتھ قریب قریب کُل معتقدات، مفروضات، توہمات، اور نظریات علیٰ قدر مراتب نئی روشنی کی نئی شعاعوں سے جگمگا اُٹھے ہیں! طرز معاشرت ہندوستانِ جہالت نشان میں بدقسمتی سے ۱۹۱۶ء میں زبردستی ۱۸۱۶ء کا قائم رکھا جاتا ہو، لیکن پھر بھی تہذیب یافتہ دل و دماغ اور ترقی پذیر طبایع روز بروز المضاعف ہوتی جاتی ہیں! خدا توفیق نیک دے تو اکثر منچلے نئے خیالات کو عمل کی صورت میں لانے میں بھی تامل نہیں کریں گے!

تمام خیالات جدید کی فہرست "الف" سے "ی" تک بیان کرنا نہ میرا مقصود ہے اور نہ اس سے کوئی فائدہ! حضرت دل کی رام کہانیوں سے سینکڑوں دیوان اور ہزاروں مثنویاں رنگی پڑی ہیں۔ مگر آج کل یہ حضرت بھی اس درجہ کاروباری چیز بن گئے ہیں کہ اللہ دے اور بندہ لے! "دل" اسی لحاظ سے نہایت سائنٹیفک بزنیس یا حکمت آمیز بیوپار ہو گیا ہے نقدِ حُسن جس آزادی اور خوش اسلوبی کے ساتھ آئے دن بِک جاتی ہے اور معاملہ سے پہلے کھرا کھوٹا سمجھ لیا جاتا ہے۔ وہ بھی ان ہی حضرت کی نئی

رفتار عشق کے اصولوں پر مبنی ہے! پہلے یہ تخیل دماغی کے بل پر آتے تھے لیکن اب آپ کی نقل و حرکت بجلی سے چلنے والی گاڑیوں پر ہوتی ہے آتے آپ اب بھی ہیں لیکن اب آپ کا آنا اور جانا ـ سب کچھ محض سطحی ہوتا ہے "بسمل نیم جان ہونا" "فرقت میں بیتاب ہونا" اور ایسی ہی تمام استقلال جذبات سے پیدا ہونے والی حرکات ضابطۂ تعشق جدید کی رو سے کمزوری اخلاق کا مترادف اور قابل نفرت سمجھی جانے لگی ہیں!

اسی سلسلہ میں محبت کا نقش اولین ـ دوستی ـ بھی اس قطع و برید سے نہ بچ سکا! دوستی ایک ایسی چیز بن گئی جس کی تعریف ـ کم از کم ـ میرے دماغ بوسیدہ میں باوجود کوشش و تجربہ کے کہیں نظر نہیں آتی! "دوست" کو ایرانی شعرا معشوق کے معنی میں ضرور استعمال کرتے آئے ہیں لیکن ہندوستان کی حدود اربعہ کے اندر دوست و معشوق میں زمین و آسمان کا فرق برابر قائم رہا؛ میری عقل اگر غلطی نہیں کرتی تو "دوست" کا اطلاق ہمیشہ ہمدم اور خصوصاً طبقۂ ذکور تک محدود رہا! لیکن "بیک گردش چرخ نیلوفری ـ نہ نادر بجان ماند و نے نادری"؛ نئے زمانہ کے ساتھ "دوست" کا اطلاق صرف صنف نازک کے ایسے پاک نفوس تک محدود ہو گیا جو جوان اور دلکش ہونے کے ساتھ ہی دوست نوازی پر اچھی خاصی حد تک مائل ہوں! تہذیب یافتہ دنیا کے سیاح آپ کو روزمرہ کے مشاہدات سے

آپ کو اچھی طرح مطمئن کر سکتے ہیں! اب رہا وہ دوستانہ جو طبقۂ ذکور سے تعلق رکھتا ہے: اُسکی نسبت بھی بہت کچھ ردوقدح ہو اگر تعلیم وتعلم کا زمانہ بھی شامل کر لیا جائے! مگر اس کو محض آپ کے انقباض طبع کے خاطر چھوڑ بھی دیا جائے تو بھی "دوست" ایک عجیب وغریب ہستی نظر آتا ہے! فی الحقیقت "دوستی" کی اقلیم جدید کے حدود اربعہ خود غرضی مطلب پرستی خودنمائی، اور وقت پرستی کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتے!" دوستی" اب ایسی چیز نہیں ہے جس کا مستقل اثر موت وزیست پر حاوی ہو: زبان سے اگرچہ بعض کہنے والے اب بھی خدا کے بعد بزرگ توئی قصہ مختصر ۔ نقل کفر کفر نباشد۔ دوست کا مرتبہ بیان کرتے ہیں لیکن عمل میں دوستی کی جھول نہایت آسانی کے ساتھ حسب ضرورت اُوڑھی اور اُتاری جا سکتی ہے! اتحادِ ثلاثہ اور اتحاف ثلاثہ کا دوستانہ آپ کے پیش نظر ہے۔ غور کیجیے اور سمجھیے! جرمنی کی روش جدید نے تعلقات خوش گوار اور معاہدات ارتباط آمیز کو ایسا ناقابل ثبات بنا دیا ہے جیسا ہے! آج کی توپوں نے سنگین سے سنگین قلعہ کو! امید کی جاتی ہے کہ موجودہ جنگ عظیم الشان کے بعد" دوستی" کی تعریف صاف الفاظ میں کر دی جائے گی اور غالباً اُسے کسیقدر مضبوط اور دیرپا ناگوں پر کھڑا کیا جائیگا! لیکن تاریخ کہتی ہے کہ "وہ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"! بہرحال۔ مان لیجیے کہ موجودہ جنگ دشمنی پر نہیں بلکہ جدید

دوستی پر مبنی ہے اور اسی کے خاطر لڑی جا رہی ہے!

دائرۂ تخیلات کو محدود کیا جائے تو میری سمجھ مین نہین آتا کہ دوست کی تعریف کیا ہے؟ سنا جاتا ہے کہ اگلے وقتون مین ایک خودمختار بادشاہ کو اپنی تمام عمر کی کوشش سے صرف ڈھائی عدد دوست میسر آسکے تھے اور اس پر اُسے مرتے وقت تک ناز رہا! آج کل اگر آپ کی تنخواہ ڈھائی سو ہے تو بلا مبالغہ ڈھائی سو نئے دوست ہر چوبیس گھنٹے مین بہ آسانی آپ کو مل سکتے ہین اور پھر بھی آپ کو کوئی افتخار نہین ہوتا! واقعہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کی معاشرت ایسی بنجر زمین تھی جس مین دوستی کی کاشت سخت محنت و دقت کے ساتھ ہوسکتی تھی اور نوخیز پودہ اگر برابر راست بازی و یکرنگی سے نہ سینچا جاتا تو کبھی بار آور نہین ہوسکتا تھا۔ لیکن آج کل آب وہوا کی موافقت کے زیر سایہ "دوستی" ایک خودرو چیز ہوگئی ہے جو برسات کے پہلے چھینٹے کے ساتھ بلا ارادہ وکوشش خودبخود پھوٹ آتی ہے اور اسی طرح تھوڑی سی تمازت آفتاب کے ساتھ جہان سے آئی تھی وہین پہنچ جاتی ہے!

سچ تو یہ ہے کہ موجودہ دنیا مادّی دنیا ہے اور تخیلات کی بیخ کنی اس کا فرض ہے! مادّی حیثیت سے وہ کاروباری تعلقات جن کو آج کل دوستی کہا جاتا ہے زیادہ قابل عمل اور آرام دہ ہین! مقصد حیات مسرت ہے

اور بس! کوئی وجہ نہیں کہ دوستی کی چادر ایسی زبردست ہو کہ مسرت میں خلل ڈالے۔ خواہ مخواہ مدعم نہ داری بزبجز" اپنی ہستی کے سوا کسی دوسرے کی خاطر جنجال مول لیا جائے! میں ہی نہیں۔ تمام عقل سے معمور دماغ اسی بیوپاری تعلقات پر کاربند ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ علمی دنیا اس ترقی کو علیحدہ کر دے تو یقین کیجیے معاشرت کی کم وبیش آدھی روش آج سے ایک صدی پرانی ہو جائے گی!

میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو، میرے ایک عنایت فرمانے۔ چند روز کا عرصہ ہوا۔ مجھے دوستی کی صحیح تعریف الفاظ میں سمجھائی تھی اور عمل سے بھی بتائی تھی! میری محدود معلومات میں اس تجربہ سے جس قدر اضافہ ہوا ہے اُس کے شکریہ کے مستحق وہی عنایت فرما ہیں! اُن کے اکثر الفاظ بہ تغیر خفیف بالکل بجا اور درست تھے، کم از کم میں انکا ہم خیال اور ہم نوا ہوں! وہ فرماتے تھے "دوست وہ ہے جو دوست کے ساتھ کبھی کسی قسم کا مذاق نہ کرے اور شریف شخص دشمن کے ساتھ بھی مذاق نہیں کرتے"! سنتے ہی مجھے تو حیرت سی ہوئی تھی۔ لیکن اب میں اسے صحیح سمجھتا ہوں: دوسرے حصہ کو چھوڑتا ہوں محض اس لحاظ سے کہ اُس کی وجہ سے "دوست شریف" کی نئی بحث چھڑ جائے گی!

دوست گویا۔ جہاں تک میں اس تعریف کے لحاظ سے تصور کرتا ہوں

نہایت ہی خاموش، روکھی، مطلب سے مطلب رکھنے والی، اور بسورتی ہوئی صورت نظر آتا ہے! لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج سے کئی صدی پیشتر حکیم شیراز نے بھی یہی فرمایا تھا۔

"دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست   در پریشان حالی و درماندگی"

...... قطع کلام ہوتا ہے اس کا ترجمہ منظوم جو ایک عنایت فرمائے کیا ہے سننے کے قابل ہے مصرعۂ اول مصرعہ ثانی سے اس قدر چسپاں ہے کہ اگر آپ دونوں کے درمیان سانس لینے کے لیے بھی ٹھہر جائیں تو سامعین خدا جانے کیا کر گزریں ملاحظہ ہو۔

"دوست وہ ہووے جو پکڑے دوست کا   ماندگی میں اور پریشانی میں ہاتھ!"

...... خیر اس قدر تو صاف ظاہر ہے کہ سعدی شیرازی نے بھی کہیں بیان نہیں فرمایا ہے کہ "دوست دوست کے ساتھ مذاق بھی کر سکتا ہے! اس سے آپ یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ "پھر کیا دشمن مذاق کے لیے سمجھا جائے" ! ہر بات پہ رد و قدح کرنا جہالت ہے اس لیے صرف سنیئے اور مانیئے! اکثر یادری جیان نکات بھی اسی اصول پر مبنی بتاتے ہیں!

اپنی تضیع اوقات اور آپ کی دماغ خراشی کے بعد سوچتا ہوں کہ دوستی کیا ہے تو پھر "ہنوز روز اول" کچھ نہ سمجھ سکتا ہوں نہ بیان کر سکتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ دوستی بھی نئی زمین کی طرح گول ہے، جہاں سے چلے

بلا کسی موڑ توڑ کے اُسی جگہ آگئے! اور یہ دوستی کا گول جسم آفتاب مطلب پرستی کے گرد چکر کھاتا ہے ۳۶۵ دن میں اس کا طواف پورا پورا ختم ہو جاتا ہے اور ہر چوبیس گھنٹہ میں ایک گردش "خود نمائی" کے محور پر بھی ہوتی رہتی ہے! اب تو معلوم ہوا کہ دوستی کیا ہے؟...... آپ سمجھے ہوں تو سمجھے ہوں لیکن میں خود اگر مطلق بھی سمجھا ہوں تو خدا سمجھے!!!

مرد یا عورت؟

(مطبوعہ یکم دسمبر ۱۹۱۶ء)

فرض کیجیے کہ قدرت خود اس زمانہ کی علم پرور ترقی کے مشاہدے سے اس درجہ متاثر ہو کہ اپنی روش خود رائی کو تخلیق کی جانے والی ہستی کے انتخاب پر مبنی کر دے اور سب سے پہلے ہر اس ہستی سے جس کو دماغ عطا فرما کر سوال کرے کہ وہ اپنی بنیادی زندگی کو تجنیس کے اعتبار سے کس رنگ میں بسر کرنا پسند کرے گا یعنی "مرد بننا چاہتا ہے یا عورت؟" تو آپ اسکا کیا جواب دینگے؟

آپ یعنی میری اس تحریر کے قاری یا سامع۔ خواہ بحالت موجودہ مرد ہوں یا عورت اگر ان دونوں کے علاوہ اور کچھ ہو سکتے ہوں تو وہ بھی۔ خود اپنی طبیعت کے موافق غور کریں اور اس خیال بیجا کو علیحدہ کر دینے کے بعد غور کریں کہ "وہ فی الحال مرد ہیں یا عورت"! پھر بتائیں کہ ان کی طبیعت کا کیا تقاضا ہے؟ عام طور پر خیال ہے کہ مرد ہمیشہ مرد ہی بننا پسند کرے گا اور عورت...... آزاد و تہذیب یافتہ دنیا کا فرقہ اناث تو یہی بتاتا ہے کہ وہ باوجود عورت ہونے کے عملی زندگی میں حتی الامکان مرد کی نقل اتارنے کی کوشاں ہے! پھر بھی "خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد" مردوں

میں بھی ایسے طبائع کا ہونا ممکن ہے جو جنس نازک کو دل ہی دل میں پسند کرتے ہوں! جو حضرت اس انتخاب پر قلم فرسائی کریں اُن کو چاہیے کہ ترجیح کے دلائل کو نظر انداز فرمائیں!

مجھے خوف ہے کہ میرا سوال خشک طبع لمبے چہرے والوں کو مذاق غیر مہذب نظر نہ آئے۔ کیونکہ حال ہی میں میرے مضمون "محشر خیال" نے جو تمدن کے گذشتہ پرچہ میں نکلا تھا کئی متانت معمور افراد کی بنیاد سکوت کو قریب قریب متزلزل کر دیا تھا اور سنا گیا ہے کہ مہر سکوت عتاب کی سر بمہر بوتل سے سوڈے کے اُبال کی طرح نکلنے والی تھی مگر ایک عنایت فرما کی عنایت سے دنیا کا امن بمشکل تمام قائم رہ گیا اور ادبی دنیا کی سرزمین ایک غیر معمولی بھونچال سے بال بال بچ گئی! خیر مجھے اس سے بحث نہیں میرا کام صرف اس قدر ہے کہ اپنے خیالات کو بلا کم و کاست پیش کر دوں۔ اگر ہنسنے کے بجائے کوئی شخصیت رونے لگے تو میں اس کا جواب دہ نہیں! ہنسنا اور رونا محض آپ کی اندرونی حالت کا تقاضا ہے! اور کون بتا سکتا ہے کہ بظاہر ہنسیں نظر آنے والی صورت باطن کے لحاظ سے "خندہ لبریز" ہے یا "گریہ معمور"؟

ہاں! ایک بات ضرور اکثر طبائع کی نگاہ میں کھٹکتی نظر آتی ہے اور اس کا کھٹکنا صحیح بھی ہوگا! یہ اعتراض کیا جائے گا کہ میں نے یہ سوال پیش

کیا تھا تو سب سے پہلے مجھے ہی جواب دینا بھی لازم تھا! سائل کے لیے کسی قانون کی رو سے اگرچہ اس کی حاجت تو نہیں تاہم مجھے اپنی طبیعت کے اظہار سے نہ کبھی گریز ہوئی اور نہ اب ہے!

میں کہہ چکا ہوں کہ ہیولائے بے حس کو جنس عطا کرنے سے پیشتر جب تک دماغ نہ بخشا جائے گا کوئی انتخاب ناممکن ہے۔ اس لیے فرض کیجئے کہ مجھے میرا ہی دماغ عطا ہوا اور پھر یہ سوال کیا گیا کہ میں مرد بننا چاہتا ہوں یا عورت؟"

میرا خیال ہے کہ میرا دماغ کسی طرح بھی عورت بننا پسند کرنا کیا معنی گوارا بھی نہیں کر سکتا! کیوں؟ اس کیوں کا جواب نہایت طویل اور چناں چنیں سے بھرا ہوا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں فی الحال مختصر اور عام فہم بننا چاہتا ہوں!

"کیوں" کا جواب ملاحظہ ہو:۔

میرا دماغ فطرتاً محنت جسمانی کا بیحد شائق ہے اور ایسا شوق صنف نازک کے لیے ناموزوں دھبہ ہوگا: میں کسی وقت آرام۔ آرام دہ جس کو فرقہ لطیف آرام سمجھتا ہے۔ نہیں چاہتا۔ میں خلقتاً درشت اور سخت ہوں میرا دماغ مجبور کرتا ہے کہ میں مرد بنوں اور مرد رہوں! میں کسی حد تک بھی پابندی گوارا نہیں کر سکتا، میں کسی وقت بھی خاموش نہیں رہ سکتا

میں کسی وقت میں بھی تقدیر پر صابر نہیں، میں کبھی ہرگز کچھ مرغ گرزمین
میں مقید نہیں رہ سکتا، مجھ سے بچوں کی پرورش ناممکن ہے، میں نے
ماں باپ کی مرضی پر اپنی زندگی قربان نہیں کی اور نہ کر سکتا ہوں، میں
حسب حاجت سچ بول سکتا ہوں لیکن مبالغہ کی چاشنی بغیر مجھے خود
اپنی گفتگو میں مزہ نہیں آتا! میں صبح سے شام تک ہنس سکتا ہوں
لیکن افسوس یہ ہے کہ منہ بنا کر ایک گھنٹہ بھی نہیں بیٹھ سکتا! صالح
طبیعتیں مجھے گنہگار رکھتی ہیں مگر میں اُن ضروریات ہستی کو جو مسرت زا
ہوں مشکل سے گناہ مانوں گا!

ایسی طبیعت اور ایسا دماغ مشرق کے لحاظ سے کسی طرح بھی
عورت کا جامہ نہیں پہن سکتا اور اس لیے اگر ازل میں مجھ سے پوچھا
جاتا تو بھی فطرتاً مجبور تھا کہ مرد ہی بننا پسند کرتا! شاید یہ سمجھا جائے کہ مغربی
زندگی کے فرقہ اناث کو ملحوظ نہیں رکھا گیا لہذا میں اپنے دماغ سے مغربی
زندگی کا بھی موازنہ کیے دیتا ہوں!

اچھے کپڑے میں ضرور پہننا چاہتا ہوں مگر فیشن کی ٹکھ سے
سکھ تک پابندی میرے لیے بار ہے! اونچی ایڑی کے جوتے سے میں کبھی
ہرگز راستہ نہیں چلوں گا، پوڈر اور خوشبو میری طبیعت کبھی پسند نہیں کر سکتی
مورچال سے مجھے نفرت ہے، تنگی کر کے مرعش میں مبتلا ہو کر میں اپنے

اچھے خاصہ پھیپھڑے کو آزادانہ تنفس سے محروم نہیں کرسکتا، میں روزانہ
بال، دانت، رنگ، آنکھ، ناک، کے تصنع میں گھنٹے ضایع نہیں کرسکتا
غالباً مجھے ایسی زندگی میں چار گھڑی بھی جینا دشوار ہوگا، میں شیطان
صفت فرقہ نوجوان کے خوش رکھنے کے لیے نہ زندگی خراب کرسکتا ہوں
اور نہ کسی کو پھانسنے کے لیے ماضی بدنما کو بھول سکتا ہوں! مجھے افسوس
ہے کہ میں گا بھی نہیں سکتا اور ناچنے سے بھی متنفر ہوں! مختصر یہ کہ
مغرب کا زنانہ لباس اور ادا ہاے دلکش میری مردانہ آنکھوں کو کیسی
ہی دلفریب و دلکش کیوں نہ معلوم ہوتی ہوں لیکن میں خود اپنی شخصیت
کے لیے ان کو ایک لمحہ کے واسطے بھی گوارا نہیں کرسکتا!

یہاں تک تو میں نے سوال زیر بحث کا جواب اپنے دماغ کی رجحان
پسندیدگی و نفرت کے لحاظ سے دیا لیکن اس کو نظر انداز بھی کردیا جائے
تو میرے خیال میں ۱۰ فی صدی مرد مرد ہی بننا پسند کریں گے اور مشکل
سے ۲۵ فی صدی عورتیں صحیح طور پر عورت بننا چاہیں گی!

میرا مقصد اس اظہار سے خدانخواستہ صنف نازک کی ہتک
نہیں ہے بلکہ محض میرا خیال ہے! میں سمجھتا ہوں کہ اکثر وجوہات جو مجھے
مرد بننے پر مجبور کرتے ہیں بعض عینک سے نقائص نظر آئیں گے لیکن
حقیقت یہ ہے کہ وہ نقائص مجھ میں ہیں اور میں اُن سے کسی طرح

ت کش نہین ہو سکتا! مین ظالم تو نہین ہون لیکن اس مین شک نہین
پنی ذاتی راے مین کسی تحکم آمیز تغیر یا اصلاح کو گوارا نہین کر سکتا! آپ
پ نہایت آسانی کے ساتھ جہالت کہہ سکتے ہین اور منطق کے زیرا
ا یہ بہت کچھ بحث کر سکتے ہین لیکن یہ جہالت میری فطرت ثانیہ ہے
ر مجھ سے جدا نہین ہو سکتی! میرا تجربہ ہے کہ فرقۂ اناث کی تین چوتھائی
دی مشرق مین اور کم و بیش نصف آبادی مغرب مین مرد نہ ہونے کی
ہ سے کسی نہ کسی رنگ مین مبتلاے مصائب ہے!

عورت شکایت کرتی ہے کہ مرد سخت ہوتا ہے، خود راے ہوتا ہے،
ر اُس پر کسی نہ کسی حد تک حکمرانی کرنا چاہتا ہے! مرد اپنی دماغی و جسمانی
الت کی وجہ سے ایسا بننے کے لیے فطرتاً مجبور ہے! اب عورت کی
کایت فی الحقیقت قدرت خلاق کی شکایت ہے جس نے اُسے
ورت بنایا! میری نظر نے کسی مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے نالان نہین
یا! یہ حالت مشرق و مغرب، دونون جگہ، بہ لحاظ طرز معاشرت مشترک ہے
تیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیا کی تین چوتھائی آبادی مرد ہونے کو پسند کرتی ہے!!

حسن عورت مین ایک بے مثل چیز ہے! لیکن حسین عورتین [illegible] فیصدی
نہین ملتین! اور عورت کا بدصورت ہونا مرد کے بدصورت ہونے سے
بدرجہا ظلم ہے! عورت کی صرف ایک مایۂ ناز چیز حسن ہے، معاف کیجیے

حسن سیرت، سلیقہ، یہ، وہ، سب خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اچھی
چیزین ہین لیکن صورت بدنما ان تمام اوصاف پر بہ یک نظر پانی
پھیر دیتی ہے! مرد معمولی نقشہ اور اچھی صحت کا کارآمد اور موزون ہے
لیکن معمولی صورت کی عورت کارآمد بھی دلکش قطعی نہین! عورت
کے لیے دلکش نہ ہونا ظلم ہے! امر الیقین ہے کہ بدصورت مرد فرقۂ اناث کی نظر
مین ایسی بری چیز نہین جس قدر بدصورت عورت مرد کی نگاہ مین ہے
اس کو بھی چھوڑئیے! عورت کو قدرت کاملہ نے حسن دلفریب کے ساتھ
ایسی کمزوریان اور تکالیف عطا کی ہین جن کو کوئی عقل سلیم محض حسن
چند روزہ کے عوض نہین قبول کرے گی! اس سب پر غضب یہ کہ
عورت بہت جلد اپنی رعنائی و دلفریبی کو باوجود احتیاط و کوشش
کھو بیٹھتی ہے۔ عورت مرد کے مقابلہ مین نسبتاً جلد اپنی جوانی کو زائل
کر دیتی ہے۔ مرد ۴۰ برس سے ۴۵ برس تک بڈھا نہین کہا جاسکتا
اور عورت ۲۵ برس کے بعد سے محض بچون کی مان۔ یا گھر والی۔ اور
۳۰ برس کے بعد سے شوہر کے لیے عذاب جان بنجاتی ہے! بحث کے
لیے حامیان فرقۂ لطیف تسلیم نہ کرین لیکن واقعہ سے انکار
اُن کی آنکھین بھی نہین کرین گی! جذبۂ محبت کو لیجیئے؛ عورت بیچاری
اس معاملہ مین ہمیشہ خسارہ مین رہتی ہے اور فطرتاً اس خسارہ کے

لئے مجبور ہے! مرد اپنے جذبہ سے سرور حاصل کرتا ہے، محبت سے لطف اٹھاتا ہے، حسن کو لوٹتا ہے: عورت اپنے جذبہ سے بیوہ قوت بنتی ہے پھنستی ہے تکلیف اٹھاتی ہے، تمام رعنائی و دلربائی کو قربان کر دیتی ہے! یہ سب کچھ وہ خوشی سے نہیں کرتی بلکہ اُسکی فطرت کا تقاضا ہی یہ ہے!

کس قدر قیامت برپا ہوتی اگر قدرت خود رائے اس معاملہ میں انتخاب کو انسان پر چھوڑ دیتی! میرا تو خیال ہے کہ یا تو عورت دنیا سے اس قدر مفقود ہوتی جس قدر موجودہ جنگ کے دس سال تک چل جانے کے بعد مرد ہوگا اور یا روز ازل ایسا طول طویل دن ہوتا کہ نصف صدی تک اسی مسئلہ کے سلجھانے میں الجھا رہتا!

میں واقعی ممنون ہوں گا اگر آپ مجھ سے مخالفت کریں اور استدلال کے ساتھ مجھے بتائیں کہ میں کہاں غلطی کرتا ہوں! واقعہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق کو بالکل اپنے ہاتھ میں رکھنے سے قدرت کا مائیہ نہاں حکمت سے کام لیا ہے: سوچیے لیا ہے یا نہیں؟ آپ پر چھوڑ دیا جاتا تو شاید آپ برسوں یک ایک بات کو سوچا کرتے اور ہمیشہ وجود میں آنے سے گریزاں ہی رہتے! ایک لائق مغربی مصنف کی رائے اس معاملہ میں عجیب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ہر حصہ عمر میں نئی چیز بننا چاہتا یعنی " ۵ برس

سے ۲۰ برس تک حسین لڑکی ۲۰ برس سے ۳۰ برس تک خوشرو اور قوی
ہیکل فوجی افسر - ۳۰ برس سے ۳۵ برس تک دولتمند جوان - ۳۵
برس سے ۴۰ تک نازک خیال نقاش ۴۰ سے ۴۵ تک آنریری مجسٹریٹ
۴۵ سے ۵۰ تک خان بہادر - ۵۰ سے ۶۰ تک کسی بڑے شہر کا پریسیڈنٹ
۶۰ سے ۷۰ تک حاجی و متقی - ۷۰ کے بعد سے تارک الدنیا صوفی"
میں نہین کہہ سکتا کہ اس کی راے کہان تک صحیح ہے! مجھے دیکھنا
ہے کہ آپ کا دل و دماغ اس معاملہ مین کیا کہتا ہے! مجھے صنف نازک
کی دل آزاری مقصود نہین ہین اُن سے پھر بھی معافی چاہتا ہون!!
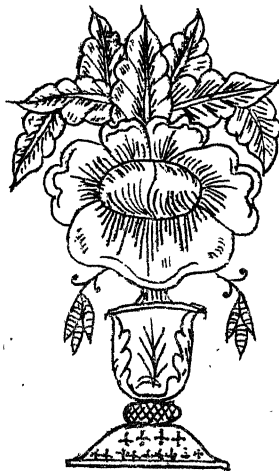
قرض و مقراض

(مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۴۱ء)

ضرورت کے وقت ایک حاجت مند کو نقد یا جنس جو کچھ بوعدہ واپسی کچھ مدت کے لیے دیا جائے قرض کہا جاتا ہے! قرض کی دو قسمیں ہیں: داد و ستد کے نقطۂ نظر سے، اور کاروباری اصول پر، جو کچھ دیا جائے قرض ہے۔ لیکن امداد کے خیال سے اور محبت کے اصول پر جو کچھ دیا جائے مقراض ہے!

اگر آپ کسی دوست کو قرض دیتے ہیں تو دوہرا خطرہ پیدا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ روپیہ کھو دینے کا خطرہ، اور دوست کھو دینے کا خطرہ اِنشا نوے فی صدی دونوں ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں "نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔ نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے"!

اگر آپ دوست پر تقاضہ نہ کریں جب بھی وہ آپ کے سامنے آتے ہوئے شرمائے گا! اور اگر کریں تو گویا ہمیشہ کے لیے اُسے کھو دیا! تقاضے کا نام آتے ہی وہ چراغ پا ہو جائے گا! ایک دوست کی امداد آپ شوق سے کریں مگر اسی قدر رقم کے ساتھ اُسے ممنون بنائیں جس کے ضایع ہو جانے کا آپ کو کبھی احساس نہو: آپ دوست کی مدد کر سکتے

ہیں مگر للہ ذہن نہ دیجئے! آپکی زبان پر اُس رقم کا نام آیا کہ اس کو صدمہ ہوا۔ قرض لینے والے اکثر رقیق القلب ہوا کرتے ہیں۔ آپ گویا اُسے قرض دے کر اُسے کش مکش میں مبتلا کر دیتے ہیں، اُسے اپنی نگاہ میں ذلیل کر دیتے ہیں! اور وہ فطرتاً اس کو محسوس کرتا ہے! اگر آپ تقاضائے شدید کو کام میں لائیں گے تو یقین رکھیئے آپ اُس کی ہتک عزت کریں گے!!

ایک دوست قرض لیکر آپ کا ممنون منت ہو سکتا ہے مگر محض اس شرط پر کہ آپ اُس کی واپسی کا نام بھی زبان پر نہ لائیں! اگر آپ وہ رقم کسی طرح واپس پالیتے ہیں تو اُسکو یہ خیال نہیں ہوتا کہ آپ نے کوئی احسان کیا تھا! وہ اُسکو احسان سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے! جو کوئی دوست کو قرض دیکر ادائی کی امید رکھتا ہے ایک ایسی حماقت کرتا ہے جس کو کوئی منطق فعل مناسب ثابت نہیں کر سکتی!

واقعہ یہ ہے کہ ایک قرضدار دوست اگر کبھی شاذ و نادر دوست کی رقم جو اس نے عین احتیاج میں قرض دی تھی واپس کرتا ہے تو اس بات کا متمنی ہوتا ہے کہ قرض دینے والا دوست اس ادائگی پر خاص طور سے اُس کا ممنون ہو! فی الحقیقت دوست کو قرض دینا قرض نہیں ہے! مقراض ہے!

قرض صرف وہی ہے جو بازاری اصول پر دیا جائے! داد و ستد کی

تجارت اسی وقت بار آور ہوتی ہے جب قرض ۵ / ے ۱۰ فیصدی سود تک کی شرح پر دیا جائے اور ضمانت میں رقم قرض سے پندرہ گنی مالیت آ سکے یا رکھ لی جائے! اس اصول پر کاربند ہونے والے زندہ رہتے ہیں تو بہ تکریم کی عزت اور خطابات پاتے ہیں اور مرتے ہیں تو اپنے بچوں کے منہ میں سونے کا چمچہ دے جاتے ہیں! اس اصول کے خلاف عامل ہونے والے زندگی بھر فاقے کرتے ہیں اور مرتے وقت اُن کے گور و کفن کے لیے چندے کی ضرورت ہوتی ہے!

عام طور پر قرض لینے والے دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو قرض لے کر ادا کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے، اور ایک وہ جو کیسے ہی اچھے ارادے رکھتے ہوں، ادا نہیں کر سکتے مختصر یہ کہ ایک ادا نہیں کرتے اور ایک ادا نہیں کر سکتے! غضب یہ ہے کہ تمام قرض لینے والے رقیق القلب اور زود رنج ہوتے ہیں۔ کسی کے دل دُکھنے سے قہر الٰہی کا احتمال علیحدہ رہا!

تیسری قسم قرض لینے والوں کی ایک اور بھی بتائی جاتی ہے۔ یہ حضرات قرض لینے کو ایک نہایت معزز و آزاد و پیشہ سمجھتے ہیں۔ معزز تو اس وجہ سے کہ بڑے بڑے تاجر قرض دینے کے وقت نواب صاحب انہیں خطاب کرتے ہیں اور آرام دہ اس وجہ سے کہ بفضلہ

نہ کسی کی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ کسی خدمت کی ذلت گوارا
کرنی پڑتی ہے؛ دلال اگر زندہ ہیں تو ہر طرح کا آرام گھر بیٹھے نصیب
ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے لوگ روز رات کو "خداد سے کھانے
کو تو بلا جائے کھانے کو" ورد کے طور پر پڑھا کرتے ہیں!

قرض لینے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب
انسان اپنی حاجتوں کو اپنے مال یا اپنے ہاتھ پاؤں سے پورا نہیں
کرسکتا! ظاہر ہے کہ کسی کا حاجتمند ہونا قدرت کی وجہ سے ہے! جس
کو خدا حاجتمند بنانا۔ یا رکھنا چاہتا ہے اسکی امداد کرنا یعنی اس کو حاجتمند
نہ رہنے دینے کی کوشش کرنا۔ ایک فعل عبث ہے اور ایک حد تک مشیت
ایزدی سے لڑنا ہے! گویا حاجتمند کو ہمدردی کے نقطۂ نگاہ سے یا امداد
کے طور پر قرض دینا سوشیل گناہ ہے تو نہ ہی گناہ بھی ہے! البتہ کاروباری
اصول پر اضعافاً مضاعفہ ہو جانے والے سود کے ساتھ قرض دینا منشا ے
قدرت کے موافق ہے کیونکہ اس طرح جس تباہی میں قدرت اسے
رکھنا چاہتی ہے وہ جلد سے جلد آجائے گی! اب آپ ہمارے عالم
اسباب کے موافق کاربند ہونا چاہتے ہیں یا خلاف؟ غالباً حماقت کو
آپ حماقت ہی سمجھتے ہوں گے!

ایک مہاجن کے قرض دینے کا رنگ مجھے عرصہ ہوا کہ نہایت

پسند آیا تھا، وہ رؤسا اور متمول حضرات کو ۵۰ فی صدی سود پر قرض دیتا تھا اور ہر مرتبہ قرض دینے کے وقت اپنے پہلے قرضے کا حساب بیباق کر لیتا تھا! مثلاً اُس نے ایک نواب صاحب کو دس ہزار قرض دیے تھے دوبارہ اُنھیں نواب صاحب کو قرض دیتے وقت اپنا گذشتہ قرضہ مع سود یعنی ۱۵ ہزار روپیہ وصول لے کر پانچ ہزار نقد اور روپے اور بیس ہزار کا تمسک اسی شرح پر لکھوا لیا! دو تین دفعہ کے تبادلہ میں بیس پچیس ہزار کی رقم نہایت خوش معاملگی کے ساتھ سوچتے سوچتے ایک لاکھ بن جاتی ہے! قرض دینے کا یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے اور تاریخ بھی ایسے قرضے کا وجود ثابت کرتی ہے! ٹرکی کو مدت دراز سے یورپ اسی اصول پر قرضہ دیتا چلا آیا ہے۔ نتیجہ اگر آپ کو معلوم نہ ہو تو کسی مصری صاحب فہم سے دریافت کر لیجیے؛ ہمیں بھی بتانے میں کوئی حجت نہیں بشرطیکہ سنسر صاحب تذکرہ فیصلہ کی اجازت دے دیں!

مختصر یہ کہ قرض اگر تقاضائے فطرت کا لحاظ نہ کر دیا جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب قرض کا روبار کے اصول پر دیا جائے تو اس کو قرض کہا جائے گا ورنہ نہیں! اور اس میں اغراض محبت بھی شامل ہے اور حماقت محض بھی!

اس میں شک نہیں کہ کسی دوست سے اگر نہایت تہذیب

کے ساتھ سلسلۂ ارتباط قطع کرنا ہو تو بہترین ترکیب یہ ہے کہ اسکو
کچھ رقم قرض دے دی جائے! "القرض مقراض المحبت" میں نہ اگلے
زمانے والوں کو شبہ تھا اور نہ موجودہ زمانہ والوں کو ہے!

مالدار کو قرض دینا۔ اور پچیس فی صدی سود کی شرح پر ذکاوت
وذہانت ہے: مفلس کو قرض دینا ابلہی وحماقت ہے: اور دوست کو
قرض دینا مقراض محبت ہے!!

پہلا گناہ

(مطبوعہ یکم مارچ ۱۹۱۸ء)

چاروں طرف عالم ہو تھا۔ شجر و حجر سے بدمذاقی فطرت عیاں تھی
قدرت عریاں تمام عالم میں جلوہ گر تھی۔ ہوا بلا روک ٹوک سیاٹے بھرتی
تھی جوش و طیش میں سائیں سائیں کرتی تھی، دیوانہ وار بال کھولے
ہوئے پریشان پھرتی تھی مگر اس کو کوئی دم بھرنے والا نہیں ملتا تھا
خاک اپنا سر دھنتی تھی۔ ہوا خاک کو منتشر کرتی تھی۔ اونچے اونچے پہاڑ
"وحدہٗ لاشریک" کہہ کر ہوا کو رد کرتے تھے۔ گہری گہری وادیاں ہوا کو مقید
کرنا چاہتی تھیں۔ سمندر اپنی روانی کی داد نہ پا کر پہاڑوں سے سر ٹکراتا تھا
پانی میں ایک بے مصرف دور تھا۔ تمازت آفتاب سے گھبرا کر آہیں بھرتا تھا
عرش معلّٰے کے پائے ہلاتا تھا۔ اپنی ناکامی پر آٹھ آٹھ آنسو روتا تھا
اور پانی پانی ہو کر سمندر میں ڈوب جاتا تھا۔ زمین اس حالت پر خون کا
گھونٹ پی کر رہ جاتی تھی۔ سورج اپنے مرکز پر قہر خداوندی کی وجہ سے
مرتعش تھا اور سرگرداں۔ زمین دم بخود تھی اور ساکت۔ درندے اور
اژدہے حشرات الارض کی طرح پیدا ہو کر اپنی حکومت قائم کر رہے تھے
وحوش و طیور کا دور دورہ تھا لیکن انسان ہستی چرند و پرند تھے۔

صبح ہوتی تھی مگر لہلہانے والی دلفریب کھیتیاں نہ تھیں۔ اس لق و دق
میدان میں نظارۂ صبح سے محفوظ ہونے والی شخص ایک خودنما ذات تھی
حسن خود بیں اپنے جلوہ پر آپ ہی نازاں تھا۔ وہ بھڑکی لوں! الاماں و
الحفیظ! لب دریا خشک تھا، زمین العطش پکار رہی تھی۔ خودرو درخت
جل جاتے تھے۔ نظارۂ شام پھولوں کو مست کرتا تھا۔ درختوں کی کیفیت
وجدانی ہوتی تھی۔ پانی میں لہریں اٹھتی تھیں۔ سورج اپنی یادگار ی پر
چاند کو تعینات کرکے اپنے چکر لئے ہوئے دماغ کو آرام پہنچانے کے
لیے گوشۂ عافیت میں چلا جاتا تھا۔ چاند ایسا ہی کھلنڈرا تھا جیسا کہ اب ہے
سمندر و دریا کو لوریاں دینے کے لیے سرِ شام ہی آجاتا تھا اور بھاگ جاتا تھا
کبھی رات بھر چادر چھپوا کھیلتا رہتا تھا اور کبھی آخر شب میں چھپ چھپ کر زمین
کو اپنا روئے زیبا دکھایا کرتا تھا۔ چاندنی اپنا کھیت کرتی تھی، تاریکی اپنا
رنگ جماتی تھی۔ نہ شمع تھی نہ چراغ تھا۔ پتھر سے نکلنے والی آگ ضرور تھی
اور اس میں کشش بھی تھی مگر پروانہ جلتا تھا۔ پروانہ بھی تھا، پروانہ کے
دل میں ذوق سوز بھی تھا۔ شاید وہ اس زمانہ میں اپنے سوز میں آپ ہی
جل مرتا ہو۔ فرشتے اس عالم کو دیکھتے تھے اور محو حق ہوکر خاموش ہو رہتے تھے
غرض یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ابلیس منکر ہوکر معتوب ہو چکا تھا اور آدم علیہ
واقعات و حذبات سے متاثر ہوکر ایک خاص حالت پیش کرتی ہیں، حوا کا

بستا مان کر ممنوع پھل کھا لیا تھا۔ ممنوع پھل کیا واقعی
گیہوں تھا؟ بابا آدم کی ذرا سی غلطی کے بعد ایک فطرتی حکم عدولی کے
بعد یہ عالم وجود عالم اسباب ثابت ہو چکا تھا۔ قدرت نے وجود اور سبب
دونوں پیدا کر دیے تھے عقل بھی دے دی تھی مگر نتیجہ پیدا کرنے کی ممانعت
کر دی تھی۔ نتیجہ پیدا ہوا لیکن خود مجبور اور بے ارادہ۔ نتیجہ کا مشاہدہ سبق
آموز تھا۔ دنیا میں آ کر آدم و حوا منفعل اور نادم تھے۔ اگر یہ رنج مشغلہ نہ ہوتا
تو دونوں ایک دوسرے کی صحبت سے اُکتا جاتے۔ دونوں کی زندگی وبال
ہو جاتی خیال جنت اور رنج آسائش جب گلدستۂ طاق نسیاں بن گئے تو دونوں
کے دونوں مشغلۂ پرورش میں منہمک تھے۔ دونوں کو اینڈ وآل کی فرصت نہ تھی۔
پھر پرورش اولاد وقت کاٹنے کا بہترین آلہ تھی۔ قدرت بھی اُس زمانہ
میں آزاد تھی اور نہایت فیاضی سے آبادی دنیا کو ترقی دینا چاہتی تھی
اسی طرح جس طرح موجودہ جنگ کے ذریعہ سے آبادی دنیا کو کم کرنے
کی فکر میں ہے۔ فیاضی قدرت سے مستفیض ہو کر حسب ضرورت آدمؑ
نے اپنی اولاد کی زندگی کے لیے قانون بنا لیا تھا۔ یہ قوانین احکام ناطق تھے۔
ان سے انحراف کرنا دماغ انسانی سے باہر تھا جب ازل میں قدرت نے
کسی کی دراندازی پسند نہ کی تو آدم تقلید قدرت کیوں کرتا۔ اگر یہ صحیح ہے
تو ہندوستان کو "مہم دول" مثنا عليهم۔ کالا پانی در اصل مقرر ہے جو مذکورہ

نہیں۔ غرض دُنیا میں آدم کو مشغلہ ملتا چلا گیا اور دن دونی رات چوگنی
ترقی ہوتی چلی گئی!! سنسان بیابان میں ایک ہیجان پڑ گیا۔ انسان فرشتہ
صفت تھا۔ ایمانداری اور سادگی کا زور شور تھا۔ جسقدر عریانی تھی اور
جسقدر تصنع کم تھا اُسی قدر بُرائیاں لاپتہ تھیں۔ قیود و پابندیاں ہمیشہ
محرکِ آزادی و گمراہی ہوا کرتی ہیں۔ اُس زمانہ میں نہ پابندیاں تھیں نہ
گناہ تھے۔ موجودہ پردہ محض تصنع اور گمراہی کا سنگ بنیاد کہا جا سکتا ہے
گنتی کے چند آدمی درندوں اور پرندوں کا مقابلہ کرتے تھے۔
جدھر سینگ سماتا تھا نکل جاتے تھے۔ درختوں کی چھال اور پتے ہی اُنکے
لیے لباس و خوراک سب کچھ تھے۔ اماں حوا اور بابا آدم اگرچہ خدا کے
نافرمان بندے تھے مگر اس دُنیا سے الٹ و لغت حرام پر کرجنت بنانا چاہتے
تھے ممکن ہے کہ یہ نافرمانی کا ردِّ عمل ہو وہ اس کوشش میں کامیاب تھے
مگر صرف ایک کسر تھی۔ خاتمۂ ازل اُسی غلطی پر پہنچی تھا جس کا خاندنیا کی
بنا ہے۔ جنت میں ایک گناہ کیا گیا تھا مگر اس دُنیوی جنت میں گناہ نہ تھا تھا۔
یہاں صرف ایک گناہ تھا۔ گناہ نافرمانی کا علم تھا جس سے کہ آدم اور اولاد
آدم خائف اور مضطر تھی۔ جنت میں پھل کھانے کی ممانعت تھی اور یہاں
پھل کھانے کے لیے قانون مقرر تھا۔ لیکن پہلے روز کے لڑکے کی دوسرے
روز کی لڑکی سے شادی کر دی جاتی تھی۔ معاملہ شادی میں کسی فریق

کو آزادی لائے حاصل نہ تھی۔ باوا آدم کے وقت کا یہ قانونِ شادی ہندو تعلق
اولاد رشید اور خلف الصدق میں اب تک مروج ہے۔ جذبہ عشق قدرت
نے ہر طبیعت میں ودیعت کیا تھا مگر آزادی حاصل نہ تھی۔ اس لیے چارو
ناچار اسکا منہ بلا سے سیرم جوڑے کی طرف پھیرنا پڑتا تھا اور زبان سے
ایک حرف نہیں کہا جاتا تھا۔ چون وچرا کی قطعی گنجائش نہ تھی حالانکہ اس
وقت نہ رائج الوقت پریس ایکٹ تھا اور نہ ڈفنس ایکٹ۔ عالم میں
شمع خاکی فروزاں تھی جس نے ہر دانگ عالم میں آگ لگا دی تھی اور
اپنی ہستی کا شور مچا دیا تھا۔ اب نہ رنگ عالم جدا تھا۔ نظارہائے قدرت
سے لطف اٹھانے کے لیے دو آنکھیں موجود تھیں۔ دماغ میں تصرف و
اختراع کی قابلیت بھی تھی اور تنقید کرکے محفوظ کرنے کے لیے پہلو میں ایک
دل بھی تھا...... انسان کی صورت دیکھکر وحوش وطیور بھاگ جاتے تھے
اور شجر وحجر پناہ مانگتے تھے۔ سورج کی روشنی بیکار نہ جاتی تھی اور رات کی
تاریکی خیالات کو معبود حقیقی کی طرف منعطف کرتی تھی۔ صحرا نوردی گلگشت
تھی اور بادیہ پیمائی میں بادہ نوشی کے مزے پنہاں تھے۔ جھوانے والی ہوائیں
دماغ میں ہوائیں بھر کر اتراتی ہوئی پھرتی تھیں۔ زمین کا دماغ آسمان پہ
تھا عجیب وغریب زندگی تھی اور معصوم دنیا اسی ڈھرے پہ چل رہی تھی۔
ایک روز تنہائی سے تنگ تھی چاہا اپنا منہ دیکھ رہا تھا۔ ستاروں کا جھرمٹ

گیا تھا۔ سورج کی آمد آمد تھی۔ تمام میں شادیانے بج رہے تھے چوپائے کلیلین کر رہے تھے
ہرن چوکڑیاں بھر رہے تھے۔ چڑیاں چہچہا رہی تھین۔ پرند گیت گا رہے
تھے۔ ہر طرف ایک نغمۂ عریاں موجزن تھا۔ ایک آبشار کے قریب طرح طرح
کے خوشنما پھول کھلکھلا کھلکھلا کر ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے بھینی بھینی
خوشبو تمام مین پھیلی ہوئی تھی۔ پتے تالیاں بجا رہے تھے۔ نسیم پھولون کے ساتھ
اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ پانی کے ساتھ چہلین کر رہی تھی اور پتون مین سے گزر کر
ایک رسیلا نغمہ چھیڑ رہی تھی۔ آبشار مین نغمون کا تلاطم تھا۔ پانی کی مسلسل چادر
ایک چٹان پر گر رہی تھی اور ترانہ الاپ رہی تھی۔ اس فضائی تماشہ مین
موسیقی خود جلوہ گر تھی۔ حوّا کی ایک سحر خیز بیٹی پر ایک کیفیت طاری تھی اور
بیخودی مین ہر نظارہ صبح کی نقل کر رہی تھی۔ بے اختیار کود رہی تھی اور
تالیاں بجاتی ہوئی محشر خیز رفتار سے مستانہ ادا سے چل رہی تھی۔ اور خدا جانے
کیا۔ کچھ گنگنا رہی تھی۔ آبشار کے قریب پہونچکر۔ پھولون کی حدود مین سبزۂ
خوابیدہ کو بیدار کرتے کرتے تھک گئی اور فرش مخملین پر گر پڑی۔ موسیقی آبشار نے
اُسے اور بھی مدہوش کر دیا۔ اسکے دل مین ایک گیت پیدا ہوا اور کچھ نہ سمجھکر
پھولون سے گویا سے تنفر تھی۔ پھولون کو۔ پھولون کے درختون کو دخت کے
ساتھ توڑ توڑ کر پھینکنے لگی۔ اور پھر اُسی دیوانہ پن مین اپنے آپ کو پھولون
کے ڈھیر مین دفن کر دیا پھولون کے سمندر مین غوطہ کھانے کے بعد جان بچانے

کے لیے گویا وہ ہاتھ پاؤن مار رہی تھی اور آخر۔ آخر وہ ڈوب گئی۔ پھولوں کی خوشبو نے
رہے سہے حواس چھین کر اسے اور بھی دیوانہ بنا دیا۔ وہ قطعی پاگل تھی۔ پھولوں کو بیخودانہ اپنے
آغوش مین بھیچنے لگی۔ دانتوں سے کاٹنے لگی اور ہاتھوں سے مسل مسل کر
اپنی آنکھوں اور پیشانی سے ملنے لگی۔ اپنے سر پر اُلجھنے لگی۔

بلندی پر پہاڑی کے، اوپر آدم کا ایک بیٹا سہانی صبح اور ان نادان
جنون افزائیوں کا نظارہ کر رہا تھا۔ تماشائے پیش نظر سے بہوت ہو کر اُسکے
دماغ نے جواب دیدیا اور انبار گل کے قریب کو دپڑا۔ چوٹ لگی اور ضرور لگی مگر
وہ بے حس تھا اور اپنی اس حرکت پر متحیر۔ جادوئے حسن سے بیخبر لڑکی اُچھل پڑی
سہم کر رہ گئی۔ اور پھولوں مین مُنھ چھپا کر خاموش ہو گئی۔

حیرت وخوف نے دونوں کو ہوشیار کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نیم وا
آنکھوں سے پہچانا۔ نحیر نے آنکھیں پھاڑ دین۔ گھورتے گھورتے نگاہ ترچھی
ہو گئی۔ ترچھی نگاہ کا ملنا تھا کہ سیلاب جنون پھر اُمنڈ آیا۔

اس آدمی نے اس حسن دلفریب کا ہاتھ پکڑ کے اُسی طرح ترچھی
نگاہ سے گھورتے ہوئے اپنی طرف کھینچا۔ وہ تسلیم مجسم مقناطیسی کشش سے
یا محض لطافت جذبات کے اثر سے ہاتھ کے ساتھ لپٹی ہوئی چلی آئی اور
سینہ سے پیوست ہو گئی۔ عقل نے اجازت رخصت مانگتے قانون کی
یاددہانی کی مگر عریانی نے نہین۔ کیونکہ معمول تماشائے خوبی نظارہ کو زائل

دیا تھا۔ بلکہ جسم پر لپٹے ہوئے پھولوں نے بالوں میں اُلجھے ہوئے پھولوں
نے جنھوں نے حسن میں امتیاز پیدا کر دیا تھا اور جنکو وہ چھپا چھپا کر بھیر
رہی کر رہا تھا۔ ایک نہ سننے دی عقل کو ڈرا دیا، بھگا دیا۔
آغوش میں لیکر اپنے دونوں بازوؤں سے پورے زور کے ساتھ وہ بھینچ
رہا تھا اور وہ پوری قوت کے ساتھ اُسکے سینہ سے چپکی چلی جا رہی تھی۔ اسکے
بازو سر اور بازو کی سخت مچھلیوں پر بوسوں کی بوچھار کر رہی تھی کہ اتنے میں
ایک شخص۔ اسکا شوہر آ گیا۔ آنے والے کی آنکھیں سرخ تھیں منھ سے جھاگ
نکل رہے تھے۔ زبان جواب دے چکی تھی اور کل جسم آگ بھبوکا بنا ہوا تھا
نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ چھوٹتے ہی حملہ کر دیا۔ حسن محجوب ہو کر علیحدہ تھا۔ نتیجہ حملہ
یہ تھا کہ ایک لاش زمین پر تڑپ رہی تھی۔ محجوب حسن دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا
"ظالم قابیل" اور قابیل ششدر ہو کر پکار رہا تھا "ہائے ہابیل"
ہابیل دنیا کے سب سے پہلے واردات ثابت کر گیا۔ آدم کی بنائی ہوئی
جنت۔ اور جنت الفردوس میں اتنی ہی کسر تھی وہ دور ہو گئی۔ یہ پہلی موت
تھی جو دنیا میں واقع ہوئی۔ یہ پہلا جرم تھا جو عالم اسباب میں سرزد ہوا۔
پہلا گناہ تھا جو وجود میں آیا۔ وغیرہ وغیرہ مسلسل۔

جب آپ کو

اُردو کی کوئی عمدہ کتاب درکار ہو

تو

سب سے پہلے ہماری فہرست کتب

مصنّفین اُردو

ملاحظہ فرمائیے جسمیں تین ۳۰۰ سو سے زائد مشہور و معروف مصنّفین کی مکمّل تصانیف اور اُردو کی دوسری اعلےٰ درجہ کی کتابوں کی مروّجہ قیمتیں درج ملیں گی - اور آپ اسکے مطالعہ کے بعد اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے کہ

ہندوستان بھر میں ایسا ذخیرہ کتب کہیں موجود نہیں ہے

فہرست مصنّفین اُردو ار کا ٹکٹ بھیجنے پر ہدیۂ روانہ کی جائے گی -

المشتہر:- منیجر الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

کر دیا تھا۔ بلکہ جسم پر لپٹے ہوئے پھولوں نے بالوں میں الجھے ہوئے پھولوں نے جنہوں نے حسن میں امتیاز پیدا کر دیا تھا اور جنکو وہ چھانٹ چھانٹ کر بکھیر مزین کر رہا تھا۔ ایک نہ سننے دی عقل کو ڈرا دیا، بھگا دیا۔

آغوش میں لیکر اپنے دونوں بازوؤں سے پورے زور کے ساتھ وہ بھینچ رہا تھا اور وہ پوری قوت کے ساتھ اسکے سینہ سے چپکی چلی جا رہی تھی۔ اسکے بازو پر اور بازو کی سخت بلیوں پر بوسوں کی بوچھار کر رہی تھی کہ اتنے میں ایک شخص۔ اسکا شوہر آ گیا۔ آنے والے کی آنکھیں سرخ تھیں منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ زبان جواب دے چکی تھی اور کل جسم آگ بھبھوکا بنا ہوا تھا۔ نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ چھوٹتے ہی حملہ کر دیا۔ حسن محبوب ہو کر علیحدہ تھا۔ نتیجہ حملہ یہ تھا کہ ایک لاش زمین پر تڑپ رہی تھی۔ محبوب حسن نے اڑھیں ماند کر کہہ رہا تھا ظالم قابیل" اور قابیل ششدر ہو کر پکار رہا تھا " ہائے ہابیل۔

ہابیل دنیا کے سب سے پہلے وارثان ثابت کر گیا۔ آدم کی بنائی ہوئی جنت۔ اور جنت الفردوس میں اتنی ہی کسر تھی وہ دور ہو گئی۔ یہ پہلی موت تھی جو دنیا میں واقع ہوئی۔ یہ پہلا جرم تھا جو عالم اسباب میں سرزد ہوا۔ یہ پہلا گناہ تھا جو وجود میں آیا۔ و تکمیل سلسلہ۔

ادبی جواہر

شعر و شاعری - مولانا حالی کے دیوان کا قابل قدر مقدمہ جسمیں شاعری کی ماہیت وخصوصیات اور شعر کے محاسن پر مبصرانہ وناقدانہ بحث کی گئی ہے۔ قیمت عہ

موازنہ انیس و دبیر - مولانا شبلی نے دو معاصر استادان فن میر انیس اور مرزا دبیر کا جو ایک ہی صنف سخن کے آفتاب و ماہتاب تھے موازنہ کرکے تنقید ادبی کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ قیمت عہ

شباب لکھنؤ - افسانہ کے پیرایہ میں نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں دربار اودھ کی حالت دکھائی گئی ہے۔ اردو انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ قیمت ... عہ

فلسفیانہ مضامین - مولوی عبد الماجد بی اے قابل قدر مضامین فلسفہ جدیدہ کی تشریح ہیں۔ مضمون کی دقت اور پیچیدگی کے باوجود عبارت کی سلاست اور نگینی قابل داد ہے۔ قیمت عہ

بکرم اروسی - کالیداس کے مشہور ڈرامہ کا ترجمہ معہ ایک بسیط مقدمہ کے جسمیں ہندو ڈرامہ پر مفصل بحث ہے اور کالیداس کا شکسپیر زمیں سے موازنہ کیا گیا ہے۔ قیمت - عہ

مولانا شبلی - مولوی سعید انصاری بی اے (جامعہ) نے آزاد۔ حالی۔ نذیر احمد و شبلی کی تصانیف پر تبصرہ اور ان کا باہم موازنہ کرکے ثابت کیا ہے کہ مولانا شبلی اردو کے بہترین انشا پرداز ہیں۔ قیمت ۱۰ر

قصائد مومن - حکیم مومن خاں دہلوی کے قصائد بہ تصحیح و تحشیہ مولوی ضیا احمد بدایونی ایم اے۔ شروع میں مومن کے حالات و خصوصیات کلام پر تبصرہ۔ قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ

الناظر بک ایجنسی لکھنؤ